

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_226263

UNIVERSAL
LIBRARY

اسلامی تاریخ کی سچی کہانیاں

حصہ دوم

مرتبہ مولوی محمد حسین صاحب محوی لکھنوی

مکتبہ جامعہ
دہلی، نئی دہلی، لاہور، لکھنؤ، بمبئی

مطبوعہ جدید برقی پریس دہلی

قیمت ۵

۱۹۲۹ء

بار سوم ۲۰۰۰

فہرست مضامین

صفحہ	کہانی	نمبر شمار
۵	خلیفہ منصور اور ایک زمیندار	۱
۷	ابو عبد اللہ بن اخف اور چند ہاتھی	۲
۹	مرزا مراد کی ثابت قدمی	۳
۱۰	حضرت عمرؓ اور بہر مزان	۴
۱۲	ناصر الدین شاہ کی عالی ہمتی اور سیر حشمتی	۵
۱۴	حضرت خالد کا ایثار اور بہادری	۶
۱۶	حضرت ضرارؓ کی بہادری	۷
۱۷	مجاج اور ایک بدھماکا دس وال	۸
۱۹	بو یعقوب یوسف مغربی اور سلطان نور الدین	۹
۲۱	ماموں اور ایک تنگینہ ساز	۱۰
۲۳	خلیفہ ہادی اور ایک خارجی	۱۱
۲۵	شاہ نجاشی کی ایمانداری	۱۲
۲۷	ماموں اور ایک نوجوان چور	۱۳
۲۸	حضرت علی اور آپؐ کی صاحبزادی	۱۴
۳۱	عالمگیر کا استقلال اور درگزر	۱۵
۳۳	ہمایوں بادشاہ اور نظام سقا	۱۶

۳۵	ابو القاسم اور بیرم خاں	۱۷
۳۶	ایک نیچے کی سچائی	۱۸
۴۰	ایماندارمی اور نیک نیتی کا پھل (خریف اور ایک دلال)	۱۹
۴۲	حضرت معاویہ اور عبداللہ بن زبیرؓ	۲۰
۴۴	خلیفہ منصور اور ایک اموی	۲۱
۴۸	حضرت بلالؓ کا صبر و استقلال	۲۲
۵۰	عالم گیر اور ایک بڑھیا	۲۳
۵۱	منصور اور ابن جعفر	۲۴
۵۴	حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ان کی بیوی	۲۵
۵۶	فلینہ مامون اور ایک ضرورت مند	۲۶
۵۹	یزید بن مہلب اور سلیمان بن عبدالملک (حق ہمانی)	۲۷
۶۲	باپ کے قاتل کو معافی (حق ہمانی)	۲۸
۶۶	مامون اور ایک ضعیفہ	۲۹
۷۰	میمو سلطان کی قدردانی	۳۰
۷۱	مامون اور ایک غریب عالم	۳۱
۷۴	خلیفہ منصور اور سردار معن بن زائدہ	۳۲
۷۸	حضرت عمرؓ اور ایک بڑھیا	۳۳
۸۳	خلیفہ منصور اور ایک نڈرناصح	۳۴

خلیفہ منصور اور ایک زمیندار

خلیفہ منصور کے زمانے میں ایک تحصیل دار نے کسی بات پر خفا ہو کر ایک زمیندار کی جائیداد ضبط کر لی۔ اور بہت ظلم کیا زمیندار نے زیادہ کر تا ہوا منصور کے پاس پہنچا اور دعا کے کر عرض کیا حضور میں ایک اپنی حاجت لے کر آیا ہوں اجازت ہو تو بیان کروں؟

منصور نے کہا ”نہیں اپنی حاجت سے پہلے کوئی مثال بیان کرو“

زمیندار نے دعا کے کر کہا۔ ”حضور والا چھوٹے بچے کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بھاگ کر اپنی ماں سے پلٹ جاتا ہے۔ کیوں کہ وہ ماں کے سوا کسی کو اپنا مددگار نہیں جانتا۔ پھر جب ذرا اور ہوش بنی حال کر سمجھ دار ہو جاتا ہے اور اسے کوئی درد کو پہنچتا ہے تو وہ اپنے باپ سے اپنی حاجت بیان کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے باپ ماں سے بڑھ کر مددگار کون ہے۔ جوان ہونے کے بعد اگر مصیبت پڑتی ہے تو اپنے حاکم اور سردار کے یہاں جا کر شکایت کرتا ہے اور مدد چاہتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ حاکم باپ سے زیادہ قوی ہے اور زیادہ عقل ہوتی ہے تو بادشاہ سے انصاف کا طالب ہوتا ہے بادشاہ بھی اگر انصاف

سے کام نہیں لیتا تو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور سمجھ لیتا ہے کہ اللہ بادشاہ سے زیادہ قوی اور انصاف کرنے والا ہے۔ میں بس ایک مصیبت کا مارا ہوا ہوں میرے لئے آپ سے زیادہ قوی اور آپ کے بعد میری فریاد سننے والا خدا پاک ہے آپ اگر انصاف کریں اور میرا سخی دلا دیں تو بہتر ماورنہ میں خدا کی عدالت میں اپیل کروں گا۔

جیسا یہ بے لاگ اور سخی بات کہنے والا تھا۔ ایسا ہی منصور بھی سخی بند اور سخی شناس تھا۔

اس نے کہا! اچھا اب تم اپنی حاجت بیان کر دو ہم سنیں گے اور انصاف سے کام لیں گے۔

زمیندار نے اپنا سارا قصہ اور تحصیلدار کی زیادتی کا حال بیان کیا منصور نے اسی وقت اپنے حکم سے جاؤ اور اسی دلا دی اور اس کی پریشانی دور کی۔ تم نے دیکھا اگلے زمانے کے لوگ کس قدر سخی گو، اور سخی پسند تھے زمیندار نے کس طرح صاف صاف کہہ سنایا اور منصور نے سن کر انصاف سے کام لیا اللہ جب کسی کو ایسا مرتبہ دے تو ضرور انصاف سے کام لینا اور سائل کی پوری بات سنا چاہئے۔

ابو عبد اللہ بن احنف اور چند ہاتھی

عبد اللہ بن احنف ایک بزرگ آدمی تھے۔ یہ ایک بار سرندیب کے پہاڑ پر گئے۔ اور آدمی بھی ساتھ تھے۔ ایک جگہ راستہ بھول کر ایسے تخیل میں جا پھنسے جہاں بکثرت ہاتھی تھے۔ اور انسانی آبادی کا نام و نشان نہ تھا بھوک نے جب بہت پریشان کیا تو اور لوگوں نے اپنے بزرگ عبد اللہ سے کہا ”اب تو ہمیں بھوک کے مائے تاب نہیں۔ اجازت دیجئے کہ ایک چھوٹا سا ہاتھی مار کر اس کے گوشت سے اپنا پیٹ بھریں۔ ان بزرگ نے بہت منع کیا۔ مگر وہ تکلیف نہ برداشت کر سکے۔ اور شیخ عبد اللہ کا کہا نہ مانا۔ ایک ہاتھی کو مار کر اس کا گوشت خوب بھون بھون کر کھایا مگر شیخ عبد اللہ نے ہاتھ بھی نہ لگایا راست کو یہ لوگ سو رہے تھے کہ بہت سے ہاتھی اکٹھے ہو کر آگئے اور سب کا منہ سونگھنا شروع کیا۔ ہر ایک کا منہ سونگھتے اور مار ڈالتے۔ آخر میں شیخ عبد اللہ کا منہ سونگھا اور چھوڑ دیا۔ ایک ہاتھی نے انھیں سونڈ میں دبا کر اپنی پیٹھ پر لاد لیا۔ اور آبادی میں لے آیا۔ سب نے دیکھا کہ ایک شخص جنگلی ہاتھی کی پیٹھ

پر بیٹھا چلا آ رہا ہے۔ سب کو سخت حیرت تھی ہاتھی ان لوگوں کو دیکھ کر ٹھہر گیا اور شیخ عبداللہ کو سونڈ سے پکڑ کر آہستہ سے زمین پر چھوڑ دیا جب ہاتھی پلٹ کر چلا گیا تو لوگ ان کے پاس آئے اور شیخ عبداللہ کو اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے انہوں نے بادشاہ کو سارا قصہ سنایا بادشاہ بہت خوش ہوا اور انہیں اچھی طرح رکھا۔ ابو عبداللہ چند روز وہاں رہ کر اپنے گھر چلے آئے۔

سچ کہا ہے کہ نیکی کا بدلہ نیک ہے۔ جب تم کسی کے ساتھ برائی نہ کرو گے تو یاد رکھو کہ تمہیں بھی کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔
(ابن بطوطہ)

مرزا مراد کی ثابت قدمی!

اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ کا بھائی 'داراشکوہ اس کا مخالف ہو گیا اور ساٹھ ہزار سوار فوج لے کر عالم گیر کے مقابلے کو نکلا اور سموگڈھ میں ٹھہرا اس کے پاس ہی عالمگیر اور مرزا مراد اپنی فوجیں لئے ہوئے پہلے سے موجود تھے دونوں فوجوں میں بڑے زور شور کی لڑائی ہوئی اس معرکہ میں مرزا مراد نے اس ثابت قدمی سے جنگ کی کہ اس کی مثال شکل سے ملے گی اس کو ہاتھی کا ہودہ تیروں سے بے بھن گیا اور خود یہ لہو لہان ہو گیا مگر پہاڑ کی طرح کھڑا ہوا دشمنوں پر تیر برساتا رہا آخر مرزا مراد کی ثابت قدمی سے عالمگیر کو فتح ہوئی۔ اور مراد کی بہادری کا یہ کارنامہ ہمیشہ زندہ رہ گیا۔

یہ ہودہ نسخ سیر کے زمانہ تک یادگار کے طور پر قلعے میں محفوظ رہا۔
وقت پڑنے پر ایسی ہی بہادری دکھانا اور ثابت قدم رہنا چاہئے۔

حضرت عمرؓ اور ہرمزان

ہرمزان فارس کی فوجوں کا سپہ سالار تھا۔ اس نے اسلامی لشکر سے شکست کھائی اور قید کر کے حضرت عمرؓ کی خدمت میں لایا گیا۔ حضرت عمرؓ نے قتل کا حکم دیا اس نے کہا ”میں پانی پینا چاہتا ہوں“ پانی لایا گیا ہرمزان نے پانی کا کٹورا لے کر منہ سے لگایا۔ مگر فوراً گھبرا کر ہٹا لیا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا ”کیوں پیتا کیوں نہیں ہے“

ہرمزان نے کہا ”ایسا نہ ہو کہ پانی پیتے میں آپ قتل کریں۔ میں چاہتا ہوں۔ جب تک یہ پانی نہ پیوں قتل نہ کیا جاؤں“

حضرت عمرؓ نے فرمایا ”ہاں تمہاری یہ درخواست منظور ہے جب تک یہ پانی نہ پی لو گے۔ قتل نہ کئے جاؤ گے“

ہرمزان نہایت ہوشیار آدمی تھا اسے جان بچانے کی ایک تدبیر سمجھ میں آگئی۔ اس نے فوراً پانی کا کٹورا پھینک دیا۔

حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اب ہرمزان قتل کیا جائے۔ یہ سن کر شہریر ہرمزان بولا ”حضور ابھی تو مجھے امان سے چکے ہیں اور یہ فرما چکے ہیں کہ جب تک یہ

پانی نہ پنی لوگے قتل نہ کئے جائوگے۔ میں نے پانی کب پیا۔
 حضرت عمر بھی اپنی بات کے دھتی اور سچے مسلمان تھے۔ وہ کیوں
 کر مکر سکتے تھے۔ آپ نے اسی وقت رہا کر دیا اور فرمایا تم نے بڑی چالاکی
 سے اپنی جان بچائی۔ اچھا جادو ہم تمہیں معاف کرتے ہیں۔ اب ہرمزان کی
 خوشی کا اندازہ کرنا دشوار ہے۔ ہرمزان بھی شریف آدمی تھا اس نے بھی جان
 کی امان پا کر اس احسان کا پورا حق ادا کیا۔ وہ مسلمان ہو گیا۔ اور کافروں
 سے ایسی ایسی لڑائیاں لڑا کہ تاریخ کے صفحات میں اس کا نام زندہ ہے
 شریف آدمی اپنی بات کے ایسے ہی پکے ہوتے ہیں اور نیک لوگ احسان
 کو نہیں بھولتے۔

ناصر الدین شاہ کی عالی ہمتی اور سیرِ چشمی

ناصر الدین سلطان التمش کا پوتا تھا۔ اس کی عالی ہمتی کا ایک قصہ ہم تمہیں سناتے ہیں۔ ابھی یہ کم سن ہی تھا کہ اس کے چچا نے اسے نظر بند کر دیا مگر یہ بالکل نہ گھبرایا اور نہ بد دل ہوا۔ اس کے چچا نے جب کوئی چیز تحفہ کے طور پر بھیجی تو ناصر الدین محمود نے لینے سے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ میں اپنی خوراک اور لباس کے لئے خود اپنے ہاتھ سے کماؤں گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا اس زمانے میں ہر طرف اس طرح پھھی ہوئی کہ کتابیں نہیں تھیں۔ یہ ناصر الدین نے عربی فارسی کی کتابیں نقل کرنا اور ان کو بیچنا شروع کر دیا اور اس طرح وہ اپنی ضروریات زندگی کے لئے کسی کا محتاج نہ رہا۔ نظر بند می کے دن لکھنے پڑھنے میں صرف کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ بڑا عالم اور اعلیٰ خوش نویس ہو گیا۔ اور علم میں ایسا جی لگا کہ اسے قید میں کوئی تکلیف نہ معلوم ہوئی۔

اپنے چچا کے مرنے کے بعد ناصر الدین نے رہائی پائی اور سلطنت

کے کاموں میں مصروف رہنے پر بھی اس نے کتابوں کا لکھنا نہ چھوڑا اور اپنی اکیس سال کی حکومت میں خزانے کا ایک پیسہ بھی اپنی ذات پر خرچ نہ کیا۔ وہ غریبوں کی طرح رہتا تھا۔ اور جو کچھ ضرورت ہوتی تھی اسی مزدوری سے پوری کرتا۔ اس کی یہ عالی ہمتی اور محنت ہمیشہ یادگار رہے گی۔

حضرت خالد کا ایسا اور بہادری

حضرت عمرؓ کے زمانے میں طرابلس میں مسلمانوں سے کافروں کی ایک سخت لڑائی ہوئی اس لڑائی میں سخت مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا سردار نہایت پریشان تھے اور دشمن کی فوج جوش میں بڑھی چلی آتی تھی ایک سردار عبد اللہ بن انیس نے فوج کی حالت اپنے سپہ سالار حضرت ابو عبیدہؓ ابن جراح سے بیان کی اول تو کثرت سے مسلمانوں کی جانیں ضائع ہو جانے کا ہدمہ دوسرے یہ خیال اور زیادہ پریشان کئے دیتا تھا کہ ان کی سپہ سالاری میں یہ پہلی لڑائی تھی۔ وہ پریشان ہو کر حضرت خالدؓ کے پاس آئے۔ اور کہنے لگے ”اے سیف اللہ مسلمانوں کی مدد کرو۔ خدا تمہاری مدد کرے گا وہ دشمنوں کے تاپیداکنار سمندر میں غوطے کھا رہے ہیں اور ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہونا چاہتے ہیں ان کے مبارک سر جو خدا کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھک سکتے گھوڑوں کے قدموں میں روندے جانے والے ہیں یہ ایمان دار ہیں اور بے ایمانوں میں گھر گئے ہیں اے خالد! دشمنوں کو مار کر انہیں بچاؤ۔ حضرت خالدؓ یہ تقریر سن کر بیتاب ہو گئے۔ اور کہنے لگے اے

سردار میں آپ کے حکم کا منتظر ہی تھا۔ خدا کی قسم امیر المؤمنین عمر فاروقؓ اگر آپ کی جگہ کسی رستے کو بھی میرا سردار مقرر کرتے تو میں اس کا حکم بھی اس طرح ماننا جیسا کہ حضرت عمر فاروق کے فرمان کو ماننا۔ میرا سر خدا کی راہ اور اسلام کی حمایت میں فدا ہے۔ میں ہر وقت مرنے پر تیار ہوں۔“

یہ کہہ کر فوراً تلوار ٹیک کر کھڑے ہو گئے۔ لڑائی کا لباس پہنا اور ایک چھوٹا سا فوج کا دستہ لے کر میدان جنگ میں نہایت تیزی کے ساتھ پہنچے اور بلند آواز سے پکارا ”اسلام علیکم اے بہادر مسلمانو! گھبراؤ، نہیں میں خالد بن ولید تمھاری مدد کو آ گیا ہوں۔“ مسلمانوں کے دل بڑھ گئے۔ اور فوج کو مرتب کر کے دشمن پر ایسا حملہ کیا کہ اسے شکست دی اور مارا بھگایا۔

دیکھا یہ تھا حضرت خالد کا ایثار اور بہادری کہ حضرت ابو عبیدہ اور خلیفہ کے حکم کو کس طرح مانا۔ غدر کرنا اور اپنی معز دلی سے بد دل ہونا تو جانتے ہی نہ تھے۔

(تہذیب)

حضرت ضرار کی بہادری

حضرت ابوعلیہ کے زیرِ کمان جو فوج ملک و شام میں کافروں سے لڑ رہی تھی اس میں ایک فوجی دستے کے افسر حضرت ضرار تھے۔ یہ بڑے بہادر بھی تھے اور لڑائی کے فن میں بڑے ماہر بھی۔ یہ اس بہادری اور دلیری سے اپنی فوج کو لڑا رہے تھے کہ کافروں کا سپہ سالار ان کی دلیری اور شہادتِ قدمی کو دیکھ کر حیرت کر رہا تھا۔ آخر ضرار کے ہاتھوں اپنی فوج کا خون بہتے دیکھ کر ضبط نہ ہو سکا۔ آگے بڑھ کر اس نے ان پر حملہ کیا۔ عیسائی سپہ سالار کی یہ جرات دیکھ کر ضرار کو بھی حیرت ہوئی یہ بڑا قوی اور بھاری بدن کا آدمی تھا توڑی دیر تک دونوں میں لڑائی ہوتی رہی۔ دونوں اپنی بہادری کے کرب دکھاتے رہے۔ توڑی دیر میں اسلامی بہادری کے گھوڑے نے دشمن کی تلوار کا ایک زخم کھا کر تباہی سے ٹھوکر کھائی اور اپنے زور میں زمین پر آ رہا۔ حضرت ضرار کے لئے یہ وقت نہایت نازک تھا مگر استقلال اور بہادری کو ہاتھ سے نہ دیا اور وہ نہایت تیزی سے اٹھ کر سیدل ہی اپنے دشمن کے مقابلے پر آ کر کھڑے ہو گئے اس وقت ضرار نے نیزہ ہاتھ سے پھینک تلوار ہاتھ میں لے لی اور حملہ آور شیر کی طرح جھپٹ کر پہلے ہی دار میں دشمن کا سر اڑا دیا۔ اور جھٹ اس کے گھوڑے پر سوار ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور فتح حاصل کی۔

حجاج اور ایک بڑھا گاؤں والا

حجاج ابن یوسف بہت ظالم گورنر تھا مگر اس کی طبیعت میں بروباری بھی تھی ایک روز سیر دشکار کے لئے شہر سے باہر گیا۔ کسی مقام پر اس کے ساتھی اس سے جدا ہو گئے۔ یہ اکیلا جا رہا تھا کہ راستے میں ایک بڑھے گاؤں والے سے ملاقات ہوئی۔ حجاج نے پوچھا:۔ یہ شیخ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟

بڑھا۔ اسی گاؤں کا۔

حجاج۔ شہر کے مالکوں کی نسبت تمہاری کیا جانتے ہے۔

بڑھا۔ سب بڑے پاجی۔ شہریر ہیں۔ لوگوں پر ظلم دزیادتی کرتے ہیں۔ ان کا مال چھین لیتے ہیں۔

حجاج۔ اچھا حجاج کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

بڑھا۔ وہ سب سے بڑا بد معاش اور شہریر ہے خدا اس کا منہ کالا کرے۔

حجاج۔ تم جانتے ہو میں کون ہوں۔

بڑھا۔ جی نہیں۔ خدا کی قسم میں نہیں جانتا۔

حجاج۔ حجاج میں ہی ہوں۔

پڑھا۔ اور حضور مجھے پہچانتے ہیں۔ میں قبیلہ بنی عجل کا مجنوں ابن عامر ہوں
 دن کو روتا نہ اسی وقت میرے جنون کا زور ہوتا ہے۔

حجاج کو بڈھے گنوار کی اس چالاکی پر بے اختیار ہنسی آگئی۔ اس نے
 چھوڑ دیا۔ جان بچی لاکھوں پائے

حجاج کی بردباری اور بڈھے کی چالاکی دیکھی آدمی کو بری بات سن کر
 برانہ ماننا چاہئے اور جلدی میں ایسا نہ کرنا چاہئے کہ دوسرے کی جان و مال
 کو نقصان پہنچے۔ اور وقت پر گھبرائے بھی نہیں۔ بلکہ ہوشیاری سے کام
 لے تو ساری مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔

ابو یعقوبؒ یوسف مغربی اور سلطان نور الدین

ابو یعقوب یوسف ایک بزرگ آدمی تھے۔ ایک بار وہ دمشق گئے اور وہیں بیمار ہو گئے۔ دمشق میں انہیں کوئی پہچانتا نہ تھا۔ یہ ایک سڑک کے کنارے پڑے رہے نہ کوئی عزیز تھا اور نہ کوئی علاج کرنے والا۔ اچھے ہونے کے بعد باہر گئے تاکہ کسی شاہی باغ میں رکھوالی کی خدمت پر نوکری ہو جائیں سلطان نور الدین کے ایک باغ میں مقرر ہو گئے۔ ان کی نوکری کو چھ مہینے گزر چکے تھے کہ ایک روز میموں کی تیاری کے زمانے میں بادشاہ اپنے باغ میں آیا۔ باغ کے افسر نے ابو یعقوب کو بلا کر حکم دیا۔ بادشاہ سلامت کے کھانے کو انار توڑ لاؤ۔ یہ ایک انار توڑ لائے۔ بادشاہ نے چکھا تو کھٹا تھا۔ ان سے کہا ایک اور لے آؤ۔ یہ اور لے آئے وہ بھی کھٹا نکلا۔ پھر حکم دیا اور لے آؤ یہ اور لائے بادشاہ نے چکھا تو اسے بھی کھٹا پایا۔ پھر ہی ہوا۔ افسر باغ نے کہا تم چھ مہینے سے باغ کی رکھوالی کر رہے ہو اور آج تک تمہیں یہ معلوم نہ ہوا کہ میٹھا کون ہے اور کھٹا کون ہے۔ ابو یعقوب نے جواب دیا آپ نے مجھے رکھوالی پر رکھا ہے چکھنے اور کھانے پر تو نہیں رکھا۔ باغ کے افسر کو اس ایمانداری

اور پرہیزگاری پر حیرت ہوئی۔ اس نے جا کر بادشاہ کو سارا قصہ سنایا۔ انھیں دنوں بادشاہ نے ایک روز خواب میں دیکھا تھا کہ ابو یعقوب سے ملاقات ہوئی ہے۔ وہ سمجھ گیا۔ ہونہ ہو وہ بزرگ ہی ہیں۔ انھیں بلایا اور پوچھا آپ کا نام ابو یعقوب ہے انہوں نے کہا جی ہاں، بادشاہ گلے ملا اور اپنے پاس بٹھا لیا۔ پھر ان کو اپنے ساتھ لے گیا۔ دعوت کی اور کئی روز مہمان رکھا۔

سلطان نور الدین خود بھی بڑا ایماندار اور پرہیزگار آدمی تھا یہ حکومت کے خزانے سے اپنے ذاتی خرچ کے لئے کبھی ایک پیسہ بھی نہ لیتا تھا بلکہ خود محنت کر کے روزی پیدا کرتا تھا۔ حضرت ابو یعقوب جتنے دن رہے اپنی کمائی میں سے انھیں کھلاتا رہا ایک روز خدا جانے کیا جی میں آئی کہ ابو یعقوب دمشق سے چپکے ہی چل گئے۔ سخت جاڑے پڑ رہے تھے۔ اپنے اپنے لئے کوئی جبرٹ اول کیڑا بھی نہیں لیا۔ یہ بزرگ شاہان مغربی کی اولاد میں سے تھے اور چٹائیاں بنا کر اپنا پورا کرتے تھے، موضع کرک لوح میں ان کا مزار ہے سبحان اللہ کیسے کیسے نیک اور ایمان دار مسلمان تھے۔

ماموں اور ایک نگینہ ساز

خلیفہ ماموں بڑا بردبار تھا۔ ایک روز کا قصہ ہے کہ ماموں کے ہاتھ میں ایک بڑا سرخ یا قوت تھا۔ اور اس طرح چمک رہا تھا کہ اس کی شعاعوں کے آگے سورج کی کرنیں ماند تھیں۔ تمام دربار جگمگا رہا تھا اور حاضرین کی آنکھوں میں چمکا چوندا پیدا ہو رہی تھی۔ ماموں اس کو الٹ پلٹ کر دیکھتا اور اس کی تعریف بیان کرتا جاتا تھا۔ پھر اس نے ایک نگینہ ساز کو بلایا۔ اور اسے بتایا کہ اس کو اس طرح اسے بنا لاؤ۔ تین روز کے بعد ماموں نے نگینہ ساز کو بلایا۔ وہ حاضر ہوا۔ لیکن خوف اور دہشت کے مائے کانپ رہا تھا۔ ماموں نے پوچھا نگینہ کیا کیا یہ سن کر نگینہ ساز اور لرز گیا۔ مگر کچھ نہ بولا۔

ماموں سمجھ گیا ضرور نگینہ کو کچھ نقصان پہنچا ہے۔ اس نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ اور پھر نگینہ ساز سے دریافت کیا۔

نگینہ ساز نے کہا۔ یا امیر المومنین جان بخشی ہو تو عرض کروں۔

ماموں۔ ہاں تمھارے لئے امان ہے۔

نگینہ ساز۔ یا امیر المومنین نگینہ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر لوہے پر گر پڑا

اور یہ حالت ہو گئی۔ یہ کہہ کر نگینہ پیش کر دیا۔

ماموں:۔ اچھا کچھ پرواہ نہیں۔ تم ڈرو نہیں۔ بلکہ اس کی چار انگوٹھیاں
ہمارے لئے بنا لاؤ۔

پھر ماموں دیر تک نیگینہ ساز سے اس طرح سے نرم باتیں کرتا رہا جیسے
اسے چارہ ہی نیگینے چاہئے تھے۔

نیگینہ ساز کے دل سے خوف اور دہشت بالکل دور ہو گئے اور وہ
نہایت خوش ہو کر دربار سے نکلا۔ باہر آ کر کہنے لگا۔ آپ لوگ جانتے ہیں اس نیگنہ
کی کیا قیمت تھی۔

حاضرین نے کہا: نہیں

نیگینہ ساز نے بتایا یہ یا قوت ہاروں رشید نے ایک لاکھ بیس ہزار
روپے میں خریدا تھا۔ اللہ اکبر اتنے بڑے نقصان پر بھی کچھ نہ کہنا کمال بریاری
نہیں تو اور کیا ہے۔

اس قصے کے بیان کرنے والے سلیمان وراق کہتے ہیں۔ میں نے

اپنی عمر میں ماموں سے بڑھ کر بڑو بار اور غصے کو ضبط کرانے والا نہیں دیکھا۔

خلیفہ ہادی اور ایک خارجی

ہارون رشید خلیفہ کا بڑا بھائی خلیفہ موسیٰ ہادی ایک روز گھوڑے پر سوار ایک باغ کی سیر کر رہا تھا۔ اس وقت اس کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار نہ تھا۔ ساتھ میں چند اور مصاحب اور عزیز بھی تھے۔ اتنے میں باغ کا پہرہ والا حاضر ہوا۔ اور اس نے اطلاع دی۔ دروائے پر فلاں خارجی حاضر ہے جسے ایک فوجی افسر گرفتار کر کے لایا ہے۔ خلیفہ نے حکم دیا اندرے آؤ دو آدمی اس کے دونوں ہاتھ پکڑے حضور میں لاتے۔ خارجی نے خلیفہ کو دیکھتے ہی جھکا دے کر ہاتھ جھڑائے اور جھٹ ایک شخص کی تلوار پھینک کر خلیفہ پر حملہ کیا۔ یہ رنگ دیکھ کر، اور سب مصاحب و عزیز ادھر ادھر بھاگے۔ مگر بادشاہ اپنے گھوڑے پر جمارہا اور بھاگنے کا خیال دل میں نہ لایا۔ خارجی بالکل قریب آگیا۔ اور تلوار کا وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ بادشاہ نے گردن کا اشارہ کیا اور کہا اے غلام اس کی گردن مار حالانکہ یہاں کوئی غلام موجود نہ تھا۔ یہ جان کام دے

گئی۔ فارجی نے یہ سن کر سچے مرگ کر دیکھا۔ فارجی کا منہ پھیرنا تھا کہ خلیفہ فوراً
 فارجی کی پیٹھ پر کود پڑا اسے زمین پر گرا دیا اور تلوار چھین کر وہیں
 ذبح کر دیا پھر اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اس کے بعد ساتھ والے
 تلواریں لے لے کر آئے۔ لیکن شرم کے مارے بادشاہ سے آنکھ
 نہیں ملا سکتے تھے بہادر خلیفہ نے ان سے کچھ نہ کہا جس کے سبب وہ اپنی
 بزدلی پر اور بھی شرمندہ ہوئے۔

شاہ نجاشی کی ایمان داری

جیش کے بادشاہ نجاشی کا چچا بڑا خود غرض اور بے ایمان تھا۔ اس نے اپنی حکومت کے زمانے میں نجاشی کو ایک سوداگر کے ہاتھ چھ سودرم میں بیچ ڈالا تاکہ وہ بادشاہ نہ ہو سکے۔ نجاشی کو سوداگر غلام بنا کرے گیا لیکن ابھی تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ اس کے چچا نے انتقال کیا اور ملک کے ذمہ دار لوگوں کو تجربے سے معلوم ہو گیا کہ اس کی نالائق اولاد میں کوئی بادشاہی کے قابل نہیں ہے سب پریشان تھے کہ کیا کریں۔ ایک عقل مند نے کہا۔ خدا کی قسم جب تک نجاشی کو بادشاہ نہ بناؤ گے تمہاری سلطنت نہ سنبھلے گی۔ جیش کی حکومت باقی رکھنا چاہتے ہو۔ تو نجاشی کو واپس لانے کی کوشش کرو۔ بے مان لیا۔ کچھ لوگ جا کر بڑی مشکل سے نجاشی کو لائے۔ اور تخت پر بٹھایا۔ چار دن کے بعد نجاشی کا مالک سوداگر آن پہنچا۔ دربار کے جن امیروں سے اس نے نجاشی کو خرید لیا تھا۔ ان سے کہا۔ یا تو میرا دوسرا سوداگر واپس کرو۔ یا مجھے بادشاہ سے بات کرنے کی اجازت دو اور درباریوں نے اطلاع دی۔ بادشاہ نے بلوایا۔ سوداگر اس کی عمدہ عادتوں سے خوب واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بادشاہ بڑا نیک دل، بہرہ دار، حق اور انصاف کا دھنی ہے۔ دربار امیروں سے بھرا ہوا تھا مگر سوداگر نے کچھ پروا نہ کی اور

اور بلند آواز سے کہا۔ جہاں پناہ ما آپ کی حکومت میں یہ کیسا اندھیرا ہوا ہے
میں نے ایک غلام چھ سو درم میں خریدا تھا۔ غلام بھی مجھ سے چھین لیا گیا اور
میرا روپیہ بھی واپس نہیں دیا جاتا۔ امراء دربار یہ سن کر غصے کے مارے
بیتاب ہو گئے۔ چاہتے تھے کہ سوداگر کو اس گستاخی کی سزا دیں اس موقع
پر کوئی اور بادشاہ ہوتا تو خدا جانے کیا کر گزرتا لیکن حق پسند منصف فرج
نجاشی کی پیشانی پر بل تک نہ آیا اس نے امراء سے کہا۔ یہ سوداگر سچ کہتا ہے یا
تو اس کا روپیہ واپس دو ورنہ اس کا غلام اس کے ساتھ جاتا ہے۔ سوداگر کو
اختیار ہے جہاں چاہے لے جائے۔ امراء پر بڑا اثر ہوا۔ فوراً انہوں نے چھ سو
درم دے کر سوداگر کو رخصت کیا۔ انصاف اسی کا نام ہے شریف آدمی سچ
بات پر برا نہیں مانتے بلکہ اس کی طرف داری کرتے ہیں۔

مامون اور ایک نوجوان چہرہ

خلیفہ مامون کے زمانے میں ایک نوجوان نے چوری کی۔ چور گرفتار کئے
بادشاہ کے سامنے لایا گیا۔ بادشاہ نے ہاتھ کلنے کا حکم دیا۔ یہ سن کر نوجوان چور
بہت گھبرایا اور آگے بڑھ کر دو شعر پڑھے جن کا مطلب تھا کہ امیر المؤمنین خدا
کے لئے میں حضور سے معافی چاہتا ہوں کہ میرا ہاتھ نہ کاٹا جائے کہ وہ عیب دار ہو
جائے گا۔ اور جب داہنا ہاتھ بائیں سے جدا کر لیا گیا تو دنیا میں کیا آرام مل سکتا ہے
زندگی بیچارہ ہے۔ نوجوان چور کی بوڑھی ماں بھی پاس ہی کھڑی ہوئی تھی وہ رو کر کہنے
لگی۔ یا امیر المؤمنین یہ میرا اکلوتا بیٹا ہے۔ خدا کے لئے میرے حال پر رحم فرمائیے اور میرے
دل میں جو غم کی آگ بھڑک رہی ہے اسے بجھائیے۔ بیشک یہ اسی سزا کے لائق ہے
لیکن حضور سزا کے عوض اپنے رحم و کرم سے کام لیں اور مجھ پر ترس کھائیں۔
وہ بہت روئی، گڑگڑائی، خلیفہ نے کہا۔ یہ تو اللہ کی مقرر کی ہوئی سزا ہے۔ ہم کیوں
کر معاف کر سکتے ہیں۔ بڑھیا نے رو کر کہا ”امیر المؤمنین آپ اس سزا کو اپنے رحم
سے بدل سکتے ہیں۔ اور معاف کر سکتے ہیں۔ خدا کے لئے ترس کھائیے۔“

مامون بڑا رحم دل اور نیک بادشاہ تھا۔ آخر اسے رحم آگیا اور نوجوان
چور کا قصور معاف کیا۔ بڑھیا دعائیں دیتی ہوئی اپنے گھر کو سدھاری۔

حضرت علیؑ اور آپ کی صاحبزادی

حضرت علیؑ کے زمانہ خلافت میں بصرے کی لڑائی میں ایک موتیوں کا ہاریت الماں (خزانہ) میں آیا۔ خزانے کے انفراد آپ کے میزبانی علی بن ابی رافع ایک بزرگ تھے اس ہار کی خبر حضرت علیؑ کی صاحبزادی کو بھی ہو گئی تھی بقرعید سے ایک روز پہلے آپ نے علی بن رافع کے پاس کہلا بھیجا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ امیر المومنین کے بیت الماں میں ایک موتیوں کا ہار ہے آپ دو ایک روز کے لئے بھجوادجئے میں بقرعید کے دن پہن کر واپس کر دوں گی۔ ابن ابی رافع نے جواب دیا میں اس شرط پر سے سکتا ہوں کہ تین روز کے بعد ضرور واپس ہو جائے۔ صاحبزادی صاحبہ نے منظور کیا۔ ہار خزانے سے ان کی خدمت میں بھجوا دیا گیا عید کے دن اتفاق سے ہار پر امیر المومنین کی نظر پڑی۔ آپ نے پہچان لیا اور ان سے پوچھا۔ یہ ہار کہاں سے آیا؟

صاحبزادی:- امیر المومنین کے بیت الماں سے، ابی بن رافع

خازن سے عید میں پہننے کو تین روز کے وعدے پر لیا ہے۔
 حضرت علیؑ نے اسی وقت اپنے خزانچی کو بلایا اور ان سے کہا۔
 ابن ابی رافع تم مسلمانوں کے مال میں خیانت کرتے ہو؟
 ابو رافع، حضور خدا کی پناہ۔ میں اور مسلمانوں کے مال
 میں خیانت!

حضرت علیؑ، تم نے ہماری بغیر اجازت، اور مسلمانوں کی بغیر
 مرضی کے یہ موتیوں کا ہار صاحب زادی کو کیوں دیا؟
 ابو رافع۔ اے امیر المومنین وہ حضور کی صاحب زادی
 ہیں اور انہوں نے صرف عید کے دن پہننے کو عاریتہ لیا ہے
 تین روز کے وعدے پر دیا گیا ہے آپ اطمینان رکھئے وعدے
 پر واپس آجائے گا۔

حضرت علیؑ، نہیں آج ہی لا کر داخل کر دو۔ اور آئندہ ایسا نہ کرنا۔
 ورنہ ہمارے ہاتھ سے سخت سزا پادو گے۔

پھر فرمایا مجھے اپنی بیٹی پر بھی سخت انوس ہے۔ اگر یہ ہاتین
 روز کے لئے نہ لیا گیا ہوتا۔ تو وہ پہلی ہاشمی عورت ہوتی جس کا ہاتھ چوری
 کے جرم میں کاٹا جاتا۔

ان باتوں کی خبر صاحب زادی صاحبہ کو پہنچی۔ آپ نے باپ کی

خدمت میں حاضر ہو کر کہا۔ امیر المؤمنین! میں تو آپ کی بیٹی اور آپ کی
نخت بگڑ ہوں۔ مجھ سے زیادہ حق دار یہ ہار پہنے کا کون ہو سکتا ہے۔

حضرت علیؑ نے علیؑ کی بیٹی حق کو نہ چھوڑو اور ایمان سے نہ پھرو۔
کیا اور تمام مہاجرین اور انصار کی بیٹیاں بھی عید کے دن ایسے ہی ہاروں
سے آراستہ ہوں گی جو تم آراستہ ہونا چاہتی ہو۔

اب صاحبزادی صاحبہ کے پاس خاموشی کے سوا کیا جواب تھا ہار
اسی وقت لے کر بیت المال پہنچا دیا گیا۔

عالم گیر دکن کا استقلال اور درگزر

عالم گیر دکن میں تھا کہ اسے معلوم ہوا کہ اس کا باپ شاہ جہاں سخت بیمار ہے۔ یہ دکن سے آگرے (اکبر آباد) روانہ ہو گیا۔ راستے میں معلوم ہوا کہ اس کے بھائی داراشکوہ کی طرف سے ایک سردار جسونت سنگھ پڑھی بھارمی فوج لئے ہوئے اجین میں پڑا ہے۔ عالم گیر نے بہت عاجزی اور منت کی اور کہلا بھیجا کہ اعلیٰ حضرت دباپ، بیمار ہیں ان کی عیادت کو جاتا ہوں تم مجھے جانے دو لیکن جسونت سنگھ نہ مانا۔ آخر سخت لڑائی ہوئی اور جسونت سنگھ شکست کھا کر بھاگ نکلا اس کے بعد عالمگیر جب بادشاہ ہو گیا تو پہلے ہی سال جسونت نے قضور کی معافی مانگی۔ عالمگیر نے فیاضی سے معاف کر دیا۔

پھر عالمگیر اور اس کے بھائی شاہ شجاع میں جنگ ہوئی جسونت کو عالمگیر نے فوج کا افسر مقرر کیا لیکن نمک حرام جسونت نے شجاع سے پہلے ہی سازش کر لی تھی۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑھی ہوئی تھیں جسونت رات کے پچھلے پہر یک دم اپنی تمام فوج کے ساتھ عالمگیر کی فوج سے نکل شاہ شجاع کی فوج کی طرف چلا اس نے شاہی خزانہ اور اسباب پر بھی ہاتھ ڈالا اور اس قدر حالت خراب ہو گئی کہ عالم گیر کی کوئی آدھی فوج

جسوت کے ساتھ شاہ شجاع سے جاملی۔ یہ نہایت نازک وقت تھا۔ مگر وہ
 عالم گیر اس کی پیشانی پر شکن تک نہ آیا۔ وہ اپنی بہادری اور دلادری سے
 کسی مصیبت کو خاطر میں نہ لایا۔ آخر خدا نے مدد کی اور اس بے سرو سامانی میں
 بھی میدان اسی کے ہاتھ رہا۔ جسوت بھاگا۔ یہ بات بھی یاد رکھنے اور سونے
 سے بکھنے کے قابل ہے کہ جسوت بھاگ کر جب اپنے وطن پہنچا تو اس کی سیرمی
 نے اسے پاس نہ آنے دیا۔ اور تمام عمر اس سے الگ رہی وہ کہنے لگی بیٹھ والا
 سیرمی محبت کے قابل نہیں ہے۔ چند روز کے بعد جب جسوت کا کہیں ٹھکانا
 نہ رہا تو پھر معافی مانگی۔ عالم گیر بہادر ہی نہیں فیاض اور رحم دل بھی تھا اس
 نے پھر رحم دلی سے کام لیا جسوت مائے شرم کے منہ دکھانا نہیں چاہتا
 تھا۔ عالمگیر نے اس کا غائبانہ منصب اور خطاب و جاگیر بحال کر کے احمد آباد
 کا صوبہ دار مقرر کر دیا اور کئی بار بڑی بڑی مہموں پر بھیجا مگر جب سیواجی کے
 مقابلے پر دکن میں بھیجا تو ننگ حرام پھر اپنی عادت سے باز نہ رہا اور لونڈی
 کے راجہ کو بھی اپنے ساتھ شریک کرنا چاہا مگر اس نے انکار کر دیا۔ آخر
 جسوت سنگھ کابل کی مہم پر بھیجا گیا اور وہیں قضا کر گیا۔ عالمگیر نے اس کے قصور
 کو کئی بار معاف کیا۔ اور ننگ زیب عالمگیر بڑا اچھا بادشاہ تھا۔

ہمایوں بادشاہ اور نظام سقا

شیرشاہ سے ہمایوں بادشاہ کی جب صلح ہو گئی تو شیرشاہ نے ہمایوں سے کہا اب آپ دہلی جاسکتے ہیں۔ ہمایوں اور اس کے ساتھی شیرشاہ کی بات پر بھروسہ کر کے جانے کو تیار ہو گئے اور دوسرے دن دریائے گنگا کے پار اترنے کی تیاری کی یہ سب کئی روز کے تھکے ماندے تھے۔ ہتھیار کھول ڈالے اور آرام و اطمینان سے سوئے۔ شیرشاہ نے بد عہدی کی وہ صبح توڑ کے اپنی فوج لے کر پہنچا اور ہمایوں کے اکثر ساتھیوں کو مار ڈالا، ہمایوں اور چند سردار بھاگے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر دریا پار اترنے کی کوشش کی دریا زور پر تھا اس کے تیز دھارے میں گھوڑے نہ سنبھل سکے۔ ہمایوں پانی میں ڈوبنے لگا اس صیبت میں کسی کی امداد کرنا بڑی شرافت کا کام ہے ایک بھشتی اپنی مشک پھیلے اس کے سہارے تیر رہا تھا۔ اس نے ہمایوں سے کہا اس پر ہاتھ رکھ لو اور چلے آؤیوں بھشتی اور اس کی مدد سے اس کی جان بچی اور صحیح سلامت دریا کے پار آ گیا۔

ہمایوں نے بھشتی سے نام پوچھا اس نے بتایا میرا نام نظام محمد سقا ہے

ہمایوں نے کہا اگر تم آگرے آؤ تو تمہیں تین گھنٹے کے لئے اپنے تخت پر
بٹھا دوں گا اور بادشاہ بنا کر تمہارے حکم جاری کروں گا۔

ہمایوں کے آگرے پہنچنے سے کچھ دیر پہلے بھستی بھی پہنچا تھا۔ اس
سے ملا اور وعدہ یاد دیا۔ ہمایوں نے تین گھنٹے کے لئے اپنے تخت
پر بٹھا دیا نظام سقا نے اپنی مشک کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کٹوائے اور اپنے
نام کی ہر لگوائی اور انہیں سکون کی طرح چلایا۔ اس نے اپنے دوستوں اور
رشتہ داروں کو بڑے بڑے انعام دلوائے۔ اس طرح ہمایوں نے اپنے محسن
کا پورا پورا حق ادا کیا اور جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دیا۔ وہ نظام سقا اور
اس کے احسان کو بادشاہی عیش میں بھی نہ بھولا۔ اپنا وعدہ پورا کرنا اور
احسان نہ بھولنا یہ بڑی شرافت اور انسانیت ہے۔

ابو القاسم اور بیرم خاں

ہمایوں بادشاہ نے جب شیرشاہ سے قنوج کی لڑائی میں شکست کھائی تو یہ اپنی جان بچا کر ایران کی طرف بھاگا اس کی فوج اور نوکر چاکر بھی تتر بتر ہو گئے انھیں میں اس کا ایک پیارا سردار بیرم خاں بھی تھا یہ بھی بے چارا اپنی جان بچائے دیس بدیس مارا پھرتا تھا۔ اس برسے وقت میں اس کا ایک سچا دوست گویا رکا حاکم ابو القاسم بھی بھیس بدے ہوئے بیرم خاں کے ساتھ تھا ایک دن یہ دونوں کسی درخت کے نیچے بیٹھے سوچ رہے تھے کہ اب کیا کرنا چاہئے اتنے میں پٹھانوں کا ایک افسر بہت سے سپاہی لئے ہوئے آگیا اور دونوں کو گلہ کر کہنے لگا۔ تم کون ہو بہ کہاں سے آئے ہو۔ کہاں جاؤ گے۔

ابو القاسم نے کہا۔ بھائی ہم مسافر ہیں۔ مکہ شریف جانے کے لئے گجرات کی طرف جا رہے ہیں۔ یہ سن کر افسر نے دل میں کچھ سوچا۔ پھر پوچھا۔ کہاں کے رہنے واسے ہو۔ ابو القاسم بول اٹھا۔ بنکال کے۔

بیرم خاں اور ابو القاسم کی عمر ایک تھی رنگ روپ بھی ایسا ملتا تھا کہ دونوں جڑواں بھائی معلوم ہوتے تھے۔ افسر کے دل میں کچھ شک پیدا

ہوا۔ اس نے اپنے سواروں سے پوچھا۔ تم میں سے کوئی ان کو پہچانتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ مغلوں کے بھیدی ہیں ایک بوڑھے سوار نے ابوالقاسم کی طرف ہاتھ کے اشارے سے بتا کر کہا۔ یہ شاید بیرم خاں ہے۔ ابوالقاسم افسر کی طرف ٹھنگی لگانے دیکھ ہی رہا تھا کہ بیرم خاں نے گمڑی اتار کر کہا۔ بیرم خاں میں ہوں مجھے چاہے قید کرو چاہے مار ڈالو مگر اس بیچاڑے سے کچھ نہ بولو۔ یہ شکر سارے سپاہی اور افسرانگ ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکیے لگے اور ٹھیک ٹھیک یہ جان نہ سکے کہ بیرم خاں یہ ہو یا وہ ابوالقاسم بڑا دلیر اور بان پر کھیل جانے والا آدمی تھا اس نے اپنے دل میں ٹھان لی کہ چاہے جو کچھ ہو اپنے دوست کی جان بچاؤں گا یہ سچ کر وہ بھٹ کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا بیرم خاں میں ہوں اور یہ میرا نوکر ہے۔ میری جان بچانے کے لئے اپنے کو بیرم خاں بتا رہے۔ آپ لوگ اس کے کہنے پر نہ جاسیے۔ اس نے بہت دفعہ اسی طرح میری جان بچائی ہے

پنھانوں کا افسر ابوالقاسم کی پٹی میں آگیا اور سمجھ لیا کہ بیرم خاں یہی ہے پھر تو اس نے تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ بے چارے کا سمر زمین پر دھڑ سے گر پڑا، اور بیرم خاں بچ گیا۔

ابوالقاسم کی سچی دوستی اور جان بازی میں کس کو شک ہو سکتا ہو
عالی ظرفی اور دوست کی سچی وفاداری اسی کو کہتے ہیں۔

ایک بچے کی سچائی

ایک بار چند مسلمان سوداگروں کا قافلہ بغداد کو جا رہا تھا۔ چلتے چلتے جب شام ہو گئی تو ایک جگہ یہ لوگ ٹھہر گئے یہ مقام نخل اورستی سے بہت دور تھا۔ سردی سخت پڑ رہی تھی۔ ہاتھ پاؤں ٹھہڑے جاتے تھے۔ یہ قافلہ اچھی طرح دم بھی نہ لینے پایا تھا کہ ڈاکوؤں نے آکر حملہ کر دیا اور سارا سامان لوٹ لیا اس چھوٹے سے قافلے میں ایک بچہ بھی تھا۔ ڈاکوؤں نے اس کم سن مسافر کے کپڑوں کو ٹٹولا۔ مگر جب کچھ نہ پایا تو ایک ڈاکو نے پوچھا۔ کیا تیرے پاس کچھ نہیں ہے؟

لڑکا:۔ ہاں ہے

ڈاکو سمجھا لڑکا دل لگی کر رہا ہے۔ ہوتا تو فطر نہ آتا۔ مگر پھر کچھ سوچ کر پوچھا

کیا ہے؟

لڑکا:۔ چالینس روپے ہیں۔

ڈاکو:۔ کہاں ہیں۔

لڑکا:۔ کپڑوں میں۔

ڈاکو نے بہت ٹٹولا اور ڈھونڈھا۔ مگر سہ نہ چلا تو کہنے لگا۔ لڑکے ہم

سے مذاق کرتا ہے

لڑکا:۔ جی نہیں۔ مذاق نہیں کرتا سچ کہتا ہوں۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ڈاکوؤں کا سردار بھی آگیا۔ اس نے لڑکے

سے پوچھا، تیرے پاس کچھ ہے؟

لڑکا:۔ جی ہاں ہے۔

سردار:۔ کہاں ہے۔

لڑکا:۔ میرے کوٹ کے استر میں سلا ہوا ہے۔

سردار نے اسی وقت کوٹ کے استر کی سیون ادھیڑی۔ دیکھا تو

واقعی روپیہ موجود تھا۔

سردار:۔ لڑکے تو بڑا بوقوف نا سمجھ ہے۔ نہ بتاتا تو بھلا کس کو اس

روپے کا پتہ چلتا۔

لڑکا:۔ جناب چلتے وقت میری اماں نے مجھے نصیحت کی تھی اور یہ

سمجھا دیا تھا کہ بیٹا دیکھو خبردار۔ کبھی جھوٹ نہ بولنا۔ اس وجہ سے میں ڈی

سچ سچ کہہ دیا۔

لڑکے کی اس بھولی بھالی، اور نا سمجھی کی سچی بات نے ڈاکوؤں

کے سردار کے دل پر بڑا اثر کیا وہ اپنے دل میں کہنے لگا ایک نا سمجھ چھوٹا

سال لڑکا تو اپنی ماں کا اس قدر کہنا ماننا ہو۔ میں بڑھا ہو گیا اتنی عمر آئی اور اپنے

مالک خدا کے حکم کو نہیں مانتا۔ چوری کرتا ہوں ڈاکے ڈالتا ہوں۔ سردار یہ سچ
 کر دل ہی دل میں بہت شرمندہ ہوا۔ اس کے چہرے پر اداسی چھا گئی وہ اپنی
 حرکتوں پر بہت ہی پچھتایا۔ پھر اس سچے ایماندار لڑکے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں
 لے کر بولائیں تمھارے سامنے توبہ کرتا ہوں اور قسم کھاتا ہوں کہ اب کبھی
 خدا کے حکم سے منہ نہ موڑوں گا۔ اور کبھی ایسے برے کام نہ کروں گا۔ اس
 کے ساتھیوں پر بھی ان باتوں کا ایسا اثر ہوا کہ سب نے اسی دقت لوٹ مار
 سے توبہ کر لی۔ اور قسم کھائی کہ کسی کو نہ ستائیں گے۔ اس کے بعد انھوں
 نے اپنے سردار سے کہا! جس طرح آپ اب تک برے کاموں میں ہمارے
 سردار رہے۔ اچھے کاموں میں بھی ہمارے سردار رہے۔ سردار نے
 منظور کیا اور سب، ڈاکے اور لوٹ مار کے عوض خدا کی عبادت میں مصروف
 ہو گئے۔ تمام سوداگروں کو اسی دقت انھوں نے چھوڑ دیا۔ اور ان کا سارا
 مال و اسباب روپیہ واپس کر کے اپنی راہ لی۔ تم نے دیکھا کہ سچائی کس
 قدر اچھی چیز ہے۔ اس نے کیا اثر کیا۔ اب ہم یہ بھی بتاتے دیتے ہیں کہ اس
 بچے کا نام عبدالقادر تھا۔ بڑا ہو کر یہ پیارا بچہ اپنے ملک کا بہت بڑا بزرگ شریف
 ہوا۔ تم نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا نام تو سنا ہی ہو گا۔ جنھیں سب بڑے
 پیر صاحب کہتے ہیں۔

ایمان داری اور نیک نیتی کا پھل

خریف اور ایک دلال!

خریف ایک بزرگ اور ایمان دار آدمی تھے۔ انہوں نے ایک دلال کو کپڑے کا ایک تھان بیچنے کے لئے دیا۔ تھان میں کچھ عیب تھا۔ وہ بھی بتا دیا اور ناکید کر دی کہ بیچتے وقت خریدار کو یہ ضرور دکھا دینا۔ دلال نے لے جا کر کپڑا فروخت کر دیا۔ اور دوسرے دن قیمت لے کر آیا اور کہا۔ میں نے مسافر کے ہاتھ وہ تھان بیچ ڈالا۔

خریف :- خریدار کو عیب بھی دکھا دیا تھا؟

دلال :- نہیں یہ تو میں بھول ہی گیا۔

خریف :- افسوس یہ تو تم نے بہت برا کیا کسی کو دھوکا دینا اچھی بات

نہیں ہے۔ ابھی میرے ساتھ چلو۔

دلال اور خریف دونوں مسافر کے قیام گاہ پر پہنچے۔ مگر وہ نہ تھا اور دریافت سے معلوم ہوا کہ حاجیوں کے قافلے کے ساتھ لے گیا ہی خریف دلال سے خریدار کی صورت اور کچھ ضروری حالات پوچھ کر ایک تیز رفتار گھوڑوں

پرسوار ہو کر چل دتے۔ قافلے میں پہنکر اس شخص کا پتہ لگایا اور اس سے مل کر کہا۔ کل ایک تھان آپ نے دلال سے خریدا تھا۔ وہ تھان میرا تھا اور اس میں ایک عیب ہے۔ افسوس دلال نے آپ کو نہ بتایا آپ اپنا روپیہ لیجئے اور میرا وہ تھان واپس کر دیجئے۔ خریدار نے تھان نکال کر وہ عیب بھی طرح سے دیکھا پھر کہا کہ جناب ذرا آپ بھی روپیہ نکالنے میں بھی دیکھ لوں روپیہ دیتے وقت پر گھنٹا بھول گیا تھا۔

خریف نے روپیہ نکالا۔ مسافر نے روپیہ دیکھ کر کہا بیشک میرے دئے ہوئے روپے یہی ہیں۔ ذرا آپ بھی انہیں پر کھول لیجئے۔

خریف نے غور سے دیکھا تو سب بالکل کھوٹے تھے۔ ایک روپیہ بھی کام کا نہ تھا۔ ایمان دار مسافر نے سب کھوٹے روپے اٹھا کر پھینک دتے اور خریف سے کہا۔ میں آپ کا یہ تھان اس عیب پر بھی خریدنے کو تیار ہوں پھر اور کھرے روپے نکال کر دئے۔

دونوں نے اپنی اپنی ایمان داری اور معاملے کی صفائی دکھا دی۔

حضرت معاویہ اور عبداللہ بن زبیر

عبداللہ بن زبیر کی زمین سے ملی ہوئی حضرت معاویہ کی بھی ایک زمین تھی۔ دونوں کے غلام ان میں کھیتی کا کام کرتے تھے ایک بار شرارت سے معاویہ کے غلام ابن زبیر کی زمین میں گھس آئے۔ عبداللہ کو بھی معلوم ہو گیا آپ نے معاویہ کو ایک خط اس مضمون کا لکھا۔

حسد و نفرت کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ میری زمین میں آپ کے غلام گھس آئے ہیں۔ آپ منع کر دیجئے۔ کہ ائذہ ایسا نہ کریں۔ ورنہ مجھ میں اور آپ میں جھگڑے کا اندیشہ ہے۔ والسلام۔

معاویہ نے خط پڑھ کر اپنے بیٹے یزید کے سامنے ڈال دیا۔ وہ پڑھ چکا تو آپ نے فرمایا بیٹے اس کا کیا جواب ہونا چاہئے۔

یزید:- میری رائے تو یہ ہے کہ ایک زبردست فوج بھجوا دیجئے۔ جس کا ایک سرا یہاں ہو۔ اور دوسرا وہاں اور حکم دیجئے کہ عبداللہ کا سر کاٹ کر ابھی پیش کیا جائے

امیر معاویہ:- نہیں تمھاری یہ رائے ٹھیک نہیں کچھ اور سوچنا چاہئے پھر آپ نے ایک کاغذ پر اسی وقت یہ جواب لکھا۔

ابا بعد آپ کا خط پہنچا۔ مضمون سے واقف ہوا۔ جو بات آپ کو ناگوار ہے مجھے بھی گوارا نہیں۔ دنیا اور ساری چیزوں سے مجھ کو آپ کی غمش زیادہ عزیز ہے۔ اور سب بے کار ہیں۔ میں اپنی زمین سے ابھی دست بردار ہوا جاتا ہوں۔ آپ اسے بھی اپنی زمین میں شامل کر لیجئے اور جو کچھ میرا مال اور غلام وہاں ہیں وہ بھی سب آپ کے ہیں۔

عبداللہ بن زبیر پر اس خط کا برا اثر ہوا۔ آپ نے فوراً یہ جواب لکھا۔ امیر المومنین (طال بقاہ) کی تحریر میں نے پڑھی اس کے مضمون سے واقف ہوا۔ جو رائے آپ نے ظاہر فرمائی ہے۔ وہی قریش کی رائے ہے۔ اور بہت درست ہے۔ والسلام

معاویہ کو عبداللہ بن زبیر کا خط ملا۔ آپ نے پڑھ کر زبید کے سامنے ڈال دیا۔ پڑھ کر اس کا منہ نردو پڑ گیا۔ اور بہت حیرت ہوئی۔ پھر معاویہ نے فرمایا بیٹے جو درگزر کرتا ہے۔ وہ عزت پاتا ہے اور جس نے بردباری سے کام لیا وہ بزرگ و عزیز ہے جو سختی کے بدلے نرمی اور رحم دلی سے کام لیتا ہے۔ وہ دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، یا درمکوجب تمہیں کوئی مشکل پیش آئے تو اسی حکمت سے کام لیتا۔ ہمیشہ کامیابی ہوگی۔

خلیفہ منصور اور ایک اموی

خلیفہ منصور کے حضور میں مخبری کی گئی کہ یہاں ایک شخص کے پاس بنی امیہ کا سب سا مان اور روپیہ امانت کے طور پر رکھا ہوا ہے۔ یہ فوراً گرفتار کر کے لایا گیا۔ خلیفہ نے اپنے فاضل آدمی ربیع ابن حاجب کو بھیج کر اندر طلب فرمایا۔ اور پوچھا: ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے پاس بنی امیہ کا بہت کچھ مال بطور امانت رکھا ہوا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ فوراً ہمارے حوالے کر دو۔

یہ شخص بڑا نڈراہمت و راور مضبوط دل کا آدمی تھا۔ خلیفہ کے سامنے بالکل نہ گھبرایا۔ اور پر زور لفظوں میں کہا۔ امیر المؤمنین کیا آپ بنی امیہ کو وراثت میں منصور سے نہیں

ملزم :- پھر کیا بنی امیہ نے وصیت کی ہے کہ ان کا سارا مال آپ کو دے دیا جائے۔

منصور :- نہیں تو

ملزم :- پھر میرے پاس جو کچھ امانت ہے۔ اسے لینے کا آپ کو کیا

حق حاصل ہے

منصور کچھ دیر سر جھیکائے کچھ سوچتا رہا۔ پھر سر اٹھا کر بولا۔ بنی امیہ نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کر کے یہ مال و دولت جمع کیا تھا۔ میں مسلمانوں کا ذمہ دار ہوں۔ واپس لے کر بیت المال میں داخل کرانا چاہتا ہوں۔

ملزم :- امیر المومنین آپ اس کے سچے گواہ پیش کیجئے۔ کہ میرے پاس جو مال و اسباب امانت ہے۔ یہ بنی امیہ نے ظلم و زیادتی کر کے لوگوں سے چھینا تھا۔ بنی امیہ کے پاس ان کی زیادتی و دولت بھی تو بہت کچھ تھی۔ منصور نے پھر چپ ہو کر سر جھکا لیا۔ پھر دم بھر کے بعد بیع ابن حاجب سے کہا۔

بیع اس شخص پر ہمارا کچھ مطالبہ نہیں ہے۔

منصور :- (پھر مسکراتے ہوئے اسی ملزم کی طرف دیکھ کر کہا) تمہاری کوئی حاجت ہو تو بیان کرو ہم پوری کریں گے۔

ملزم :- ہاں ہے تو امیر المومنین۔ میرا یہ خط میرے گھر پہنچا دیجئے، تاکہ ہاں بچوں کو میری سلامتی کا حال معلوم کر کے اطمینان ہو جائے اس کے علاوہ ایک اور بھی ضرورت ہے۔

منصور :- وہ کیا ہے؟

ملزم :- جس شخص نے میری نسبت امیر المومنین سے مخبری کی ہے

وہ میرے سامنے لایا جاتے۔ خدا کی قسم میرے پاس نبی امیہ کا کچھ بھی روپیہ پیسہ نہیں ہے۔ لیکن میں بے تصور گرفتار کر کے حضور کے سامنے لایا گیا۔ اور حضور نے مجھ سے یہ سوالات کئے۔ میں بھی سمجھ گیا کہ ایسے ہی جوابات سے رہائی ممکن ہے۔

منصور:۔ (بریع سے) بریع مخبر کو لاؤ۔ فوراً ایک آدمی لا کر پیش کیا گیا۔

ملزم:۔ (اسے دیکھ کر) حضور یہ میرا غلام ہے۔ میرے تین ہزار روپے لے کر بھاگا تھا۔ اور مدت سے غائب تھا۔

منصور نے غلام کو بہت ڈانٹا ڈپٹا۔ سزائے سخت کی دھمکی دی تب اس نے سب باتوں کا اقرار کیا کہ بیشک میں اس کا غلام ہوں اور روپیہ بھی لے کر بھاگا تھا۔ یہ مخبری اس لئے کی تھی کہ ان کو بھنسوا دوں۔ اور خود آزاد رہوں۔

منصور:۔ (بے گناہ ملزم سے) میں سفارش کرتا ہوں کہ اب تم اس کی خطا معاف کر دو۔

مالک:۔ میں اے امیر المؤمنین خطا بھی معاف کرتا ہوں۔ جو کچھ اس کے ذمہ ہے، وہ بھی۔ اور تین ہزار روپے اور دیتا ہوں۔

منصور:۔ قصور اور اس کے ذمے میں جو کچھ چاہئے اس کا معاف

کرنا تو ٹھیک ہے۔ مگر اور بخشش کی کیا ضرورت تھی۔
 مالک :- حضور نے سفارش فرمائی تھی۔ اس سفارش کا تھی بھی
 ادا کرنا چاہئے تھا۔

منصور بہت خوش ہوا۔ اور اکثر اس شخص کا ذکر کیا کرتا تھا اور
 کہتا تھا میں نے ایسا دلیر، منہ پھٹ اور جری آدمی نہیں دیکھا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا صبر و استقلال

حضرت بلال ملک حبش کے رہنے والے تھے۔ عرب انہیں ادران کے باپ کو ان کے وطن سے پکڑ لائے تھے، اور یہ ایک کافر امیہ بن خلف کی غلامی میں تھے۔

مسلمان ہو جانا کافروں کے نزدیک بڑا بھاری گناہ تھا۔ حضرت بلال جب مسلمان ہوئے تو ان کے مالک نے ان پر بڑے ظلم کئے۔ گرم پتھر پر لٹا دیتا تھا سینے پر ایک بڑی سل رکھ دیتا تھا۔ اور کہتا تھا بلال اگر تو نے اسلام نہ چھوڑا تو میں تجھے ایسی ہی سخت سزائیں دیتا رہوں گا۔ اب ان سے بچنا تیرے ہی اختیار میں ہے۔

حضرت بلال بڑے سچے مسلمان اور صبر و استقلال کے پکے تھے آپ نے تکلیفیں اٹھائیں مگر حق کو نہ چھوڑا۔ دھوپ کی تیزی اور زمین کی گرمی حضرت بلال کو بھونے دیتی تھی جلتا ہوا پتھر سینے کو بھلسے دیتا تھا مگر ان کی زبان سے اس وقت بھی اُحد اُحد اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے کے سوا اور کچھ نہ نکلتا تھا۔ حضرت بلال اس سخت امتحان میں پاس ہو گئے اللہ نے رحم فرمایا۔ ایک روز ادھر سے حضرت ابو بکر صدیق گذرے، بلال کا

دکھ دیکھ کر دل بھرا آیا۔ ظالم امیہ سے کہا اس بے گناہ کو ایسی سخت سزا میں دیتے ہوئے تم خدا سے نہیں ڈرتے نہ اس کا خوف کرتے ہو۔

امیہ:۔ (بگڑ کر) تمہیں لوگوں نے تو اسے برباد کر رکھا ہے۔

ابوبکر صدیق:۔ امیہ میرے پاس ایک حبشی غلام ہے۔ اور تمہارا ہم

مذہب ہے۔ وہ غلام تم مجھ سے لے لو اور یہ بچھے دو۔

امیہ سمجھ چکا تھا کہ بلال جان لے لے گا مگر اسلام سے نہ پھرے گا

اور لوگوں میں مشہور ہو گا کہ امیہ ایک ادنیٰ غلام سے اطاعت نہ کر سکا

سزا بھی یہ پوری پا چکا ہے۔ مبادا نہ کر لینا چاہئے۔ چنانچہ وہ راضی ہو گیا۔ حضرت

ابوبکر نے اپنا حبشی کا فر غلام امیہ کو لے کر حضرت بلال کو لے لیا اور آواز دکر

دیا اس طرح حضرت بلال نے بھیمبتوں سے نجات پائی۔ بلال اگر پہلے غلام تھے

مگر اپنے صبر اور استقلال کی بدولت ہمارے سردار ہو گئے اور حضرت رسول اللہ

کے بڑے پیارے۔ دنیا میں ان کا صبر ہمیشہ یادگار رہے گا۔

عالم گیر اور ایک بڑھیا

عالم گیر نے حسن ابدال کے سفر میں ایک روز ایک باغ میں قیام کیا دیوار کے نیچے ایک بڑھیا کا مکان تھا۔ بڑھیا کی ایک پن چکی تھی۔ جس میں باغ سے پانی آتا تھا۔ سرکاری آدمیوں نے پانی روک لیا اور پن چکی بند ہو گئی عالم گیر کو خبر ہوئی تو اسی وقت پانی کھلوادیا رات کو جب خاصے بڑھیا تو کھانے کے دو قاب اور کچھ نقد و جنس ابوالحیر کے ہاتھ بڑھیا کو بھجوائے اور کہا کہ میری طرف سے معذرت کر دینا کہ افسوس ہمارے آنے سے تم کو تکلیف ہو گئی تم معاف کر دو صرف یہی نہیں بلکہ صبح ہوئی تو بڑھیا کو بالکلی بھج کر بلوایا اور حرم میں بھیجا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ بڑھیا کے دو بن بیابھی بیٹیاں ہیں اور دو بچے ہیں اسی وقت اس کو دو سو روپے عنایت فرمائے۔ متورات حرم نے روپے اور سجاہرات سے بڑھیا کو مالا مال کر دیا۔ اور تین دن کے بعد پھر بلوایا اور لڑکیوں کی شادی کے لئے دو ہزار روپے عنایت فرمائے۔ نیگمات اور شاہزادوں نے روپیہ اور اشرفیاں برسادیں چند ہی دن میں بڑھیا ابھی خاصی امیر ہو گئی۔

۱۷ ایک جگہ کا نام ہے۔

منصور اور ابن جعفر

خلیفہ منصور کے دربار میں ایک بزرگ محمد بن جعفر آیا کرتے تھے خلیفہ ان کی بہت قدر کرتا تھا۔ اور ان کی باتوں سے بہت خوش ہوتا تھا، یہ لوگوں کو فائدہ پہنچایا کرتے اور سفارشیں کیا کرتے تھے۔ لوگ ان کو بہت محبوب کیا کرتے تھے۔ منصور بھی ان کی سفارش سے بہت تنگ آگیا اور دربار میں ان کا آنا بند کر دیا۔ محمد بن جعفر کو روکے ہوئے زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا۔ پھر ان کی دل بہلانے والی باتیں یاد آئیں اور صبر نہ ہو سکا اپنے ملازم خاص ربیع کو بھیجا کہ جاؤ تم اپنے طور پر ابن جعفر کو سمجھا دو کہ سفارشیں نہ کیا کریں اور ہم سے معافی مانگیں۔ ہم آئندہ انہیں آنے کی اجازت دیں گے۔

ربیع نے جا کر ابن جعفر کو سمجھایا۔ انہوں نے منظور کیا اور دوسرے دن خلیفہ کی خدمت میں روانہ ہوئے ابھی شاہی محل کے دروازے پر ہی پہنچے تھے کہ چند قریشی عربوں نے روک لیا۔ یہ لوگ ہاتھ میں کاغذ کے پرچے لئے ہوئے تھے اور ابن جعفر سے کہا۔ ہمارے یہ پرچے عرضیاں خلیفہ تک پہنچا دو۔ ابن جعفر نے معازرت کی اور سارا قصہ بیان کیا۔ لیکن یہ لوگ نہ مانے اور بہت محبوب کیا۔

ابن جعفر نے کہا۔ اچھا اپنے پرچے ہماری آستین میں رکھ دو۔
 جس وقت یہ پہنچے ہیں۔ خدیفہ ایک نہایت سرسبز باغ میں سیر کر رہا تھا
 ان کو دیکھتے ہی کہا۔ ابن جعفر دیکھتے ہو یہ سبزہ زار کس قدر حسین اور خوب
 صورت ہے۔

ابن جعفر:۔ امیر المومنین خدا حضور کی نعمتوں میں زیادہ برکت دے
 اس شہر سے زیادہ خوبصورت اور مضبوط تمام عرب اور عجم میں کبھی کسی نے
 نہیں بنوایا۔ لیکن حضور اجازت دیں تو عرض کر دوں کہ اس میں ایک
 کمی ہے۔

منصور:۔ وہ کیا۔ ہاں ہاں ضرور کہئے

ابن جعفر:۔ وہ یہ کہ سائے بغداد میں میری ذاتی جائدا اور زمین
 بالکل نہیں ہے۔

منصور (بہت ہنس کر) آپ کا دل خوش اور آنکھیں ٹھنڈی ہوں
 ہم نے تین قطعے آپ کو عنایت کئے۔

ابن جعفر:۔ (دعاؤں سے) خدا حضور کے عمر و اقبال میں برکت
 دے۔ حضور کا ساشریف اور سخی بادشاہ دیکھنے میں نہیں آیا۔

غرض دن بھر اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ شام کو ابن جعفر گھر جانے
 کے لئے اٹھے ہی تھے کہ آستین سے پرچے گرے۔ یہ جھٹ جھک کر اٹھانے

لگے اور یہ کہتے جاتے تھے۔ تم نامراد واپس ہو اب کچھ نہیں ہو سکتا۔

منصور نے ہنس کر پوچھا۔ یہ کیسے پرچے ہیں۔

ابن جعفرؑ۔ جی حضور کچھ نہیں۔

منصورؑ۔ نہیں نہیں بتائے تو۔

ابن جعفر نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ پھر کہا کہ حضورؑ بھلائیوں کا سرچشمہ

ہیں۔ یہاں شیر نفوں کے سوا کون آسکتا ہے

منصور نے پرچے لے لے اور سب کی حاجتیں پوری کر دیں۔

ابن جعفر کی طرح تم بھی ہمیشہ لوگوں کو فائدہ پہنچانے کا خیال رکھو۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ان کی بیوی

حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو آپ نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو تو جو کچھ مال و دولت، زیور، زردیواہر تمہارے پاس ہے مسلمانوں کے بیت المال (قومی خزانے) میں داخل کر دو۔ اپنے پاس نہ رکھو۔ یہ سارا مال مسلمانوں کا ہے۔ ہمارا تمہارا نہیں ہے، میں، تم اور یہ ماں بیٹیوں ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔

فاطمہ شہزادی تھیں۔ ان کے مرحوم باپ عبدالملک خلیفہ تھے مگر خدا نے دولت کے علاوہ ان کو بہت خوبیاں دی تھیں۔ اور بڑی نیک بی بی تھیں۔ انہوں نے اسی وقت نہایت خوشی سے سارا مال خزانے میں پہنچا دیا۔ اور پیشانی پر شکن تک نہ آئی۔

جب حضرت عمر نے وفات پائی۔ فاطمہ کے بھائی یزید بن عبدالملک بادشاہ ہوئے۔ انہوں نے اپنی بہن کی تسلی کرنا چاہی اور کہا۔ افسوس عمر نے تم پر بڑا ظلم کیا۔ تمہارا ذاتی مال چھین کر خزانے میں بھجوا دیا اچھا اب میں سب خزانے سے نکلوں گا تمہارے پاس پہنچائے دیتا ہوں۔

فاطمہ نے جواب دیا۔ نہیں خدا کی قسم اب ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا

جن کی زندگی پس میں نے فرماں برداری کی ان کے مرنے پر بھی مرضی کے خلاف نہ کروں گی۔ یہ مال و دولت میرے کس کام کا ہے۔ ان کی مرضی میرے لئے سب سے بڑی نعمت اور دولت ہے۔

یزید نے اس جواب کی پروا نہ کی اور خزانے سے ان کا سارا مال و اسباب نکلوا کر بھجوا دیا۔ مگر انھوں نے لینے سے صاف انکار کر دیا آخر یزید نے عزیزوں میں بٹوا دیا۔ فاطمہ نے ایک جنبہ بھی نہ لیا اور اپنی زندگی خدا کی عبادت میں گزار دی۔

شریف و ایمان دار آدمی کی نظر میں دولت کوئی چیز نہیں ہے۔

خليفة مامون اور ايک ضرورت مند

مامون ايک روز اپنے شاہي محل ميں بيٹھا ہوا آنے جانے والوں کی سير کر رہا تھا ديکھا کہ کوئی شخص کھڑا ہوا محل کی ديوار پر کولے سے کچھ لکھ رہا ہے مامون نے غلام کو بلا کر حکم ديا۔ اس آدمی کو فوراً ہمارے پاس لاؤ۔ اور ديکھو اس نے ديوار پر کیا لکھا ہے۔

غلام نے اسی وقت جا کر پکڑ ليا اور ديکھا تو دوشعر لکھے تھے جن کا مضمون یہ تھا۔ اے محل تجھ ميں نالائق اور کينے لوگ ہتے ہیں۔ تيرے درويديوار ميں اٹو کب گھر بنائے گا۔ جس روز اٹو تيرے کسی حصہ ميں گھر بنائے گا وہ ميری خوشی کا پھلادون ہوگا۔

غلام پکڑ کرے جانے لگا تو یہ بہت گھبرایا۔ خدا کے واسطے دے منت خوشامد کی کہ خليفہ کے پاس نہ لے چلو وہ مجھے زندہ نہ چھوٹے گا۔ مگر غلام نے ايک نہ سنی اور اسے لے جا کر مامون کے سامنے کھڑا کر ديا۔ اور جو کچھ اس نے ديوار پر لکھا تھا وہ بھی بيان کر ديا۔ اس شخص کی عجيب حالت تھی خوف کے ماسے کانپ رہا تھا۔ اور موت اس کی آنکھوں کے سامنے نظر آرہی تھی۔

ماموں نے کہا۔ کیوں جی یہ شعر لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ کس طرح تمہیں یہ ہمت ہوئی۔ یہ شخص سمجھ گیا کہ اب جو کچھ ہونا ہے ہوئے گا۔ جو سچی بات ہے کہہ دینا چاہئے۔ دل مضبوط کر کے بولا۔ امیر المومنین اس محل کے اندر جو کچھ مال و دولت زرد جو اہر ہے۔ کھانے پینے کی عمدہ عمدہ چیزیں۔ قیمتی فرش فرش اعلیٰ قسم کے برتن مال و دولت، حسین و خوبصورت لونڈی، غلام غرض سب حضور کو معلوم ہے ان چیزوں کی تعریف سے زبان عاجز ہے۔ مگر میں اس وقت یہاں سے گذرنا تو بھوکا تھا۔ اتہامی نائقے کی تکلیف میں مبتلا اور یہ سوچ رہا تھا کہ کیا کروں، کس طرح اس مصیبت سے نجات پاؤں۔ دل میں خیال گذرا۔ یہ عالی شان محل آباد ہے۔ اس کے رہنے والے مزے اٹاتے ہیں اور میرا اس محل کی دولت میں کچھ حصہ نہیں۔ محل ویران ہوتا اور میں گذرتا تو اتنا ہی فائدہ تھا اس کی عمدہ لکڑی۔ اور بلبہ کو لے جا کر فروخت کرتا اور اس کی قیمت سے اپنا پیٹ بھرتا۔ خدا امیر المومنین کو خوش اور آباد رکھے۔ کیا حضور نے یہ سنا ہے کہ جو کوئی کسی کی دولت سے محروم رہتا ہے اور فائدہ نہیں اٹھا سکتا اس کی بربادی اور تباہی چاہتا ہے۔ اس کی یہ آرزو حسد کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ اس امید پر کہ اس دولت کا کوئی اور مالک ہو۔ اور اس سے فائدہ پہنچے۔

ماموں کو یہ سن کر بالکل غصہ نہ آیا۔ اس نے غلام سے کہا اسے

ایک ہزار درم دلوا دو۔

پھر اسی دل چلے سے کہا۔ جب تک ہمارا یہ محل آباد ہے اس میں
 رہنے والے شادا در بامراد ہیں۔ تمہارا یہ وظیفہ بھی جاری رہے گا۔ فرود
 مند آدمی خوشی کے ماسے اچھل پڑا اور ہزار درم لے کر دعائیں دیتا ہوا
 چل دیا۔

ماموں کے احسان اور بردباری سے بد دعائیں دعاؤں
 سے بدل گئیں۔

یزید بن مہلب اور سلیمان بن عبد الملک

(حق مہانی)

یزید بن مہلب ایک بڑا رئیس اور سردار تھا۔ ظالم گورنر حجاج نے خدا جانے اسے کیوں گرفتار کر کے جیل خانے بھجوا دیا۔ اس کی تمام جائداد اور دولت و مال ضبط کر لیا۔ یزید بڑا ہوشیار اور عقل مند امیر تھا۔ اس نے اپنی لیاقت سے جیل خانے کے افسر کو ملا لیا۔ یہ دونوں بھاگ کر شام میں پہنچے۔ خلیفہ ولید بن عبد الملک کے بھائی سلیمان سے جا کر ملے۔ اس سے اپنی تمام دکھ بھری داستان سنائی اور امداد و پناہ چاہی۔ سلیمان نے بہت تسلی و تسنی دی، اخلاق و عزت کے ساتھ اپنے پاس بٹھرایا۔ حجاج نے خلیفہ کو لکھا۔ یزید سرکاری مجرم ہے۔ جیل خانے سے بھاگ کر گیا ہے اور سلیمان سے پناہ لے لی ہے۔ اور سلیمان امیر المؤمنین کے بھائی اور ولی عہد ہیں۔ اب حضور کو اختیار ہے جو مناسب ہو کر یزید کو بلیدنے سلیمان کو لکھا۔ یزید کو فوراً گرفتار کر کے بھیج دو۔ سلیمان نے جواب دیا میں

یزید کو پناہ اور امان سے چکا ہوں۔ وہ اس کے ماں، باپ، بھائی بیٹے سب ہمارے باپ کے زمانے سے خیر خواہ رہے ہیں اس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہئے۔ میں نے امیر المومنین کے دشمن کو پناہ نہیں دی بلکہ دوست کو دی ہے۔ حجاج نے یزید کو سخت سزائیں دیں اس کا سارا مال و دولت چھین لیا۔ جائیداد ضبط کر لی، اور وہ بھی محض بے تصور۔ پھر جس قدر چھینا اور ضبط کیا۔ اسی قدر جرمانے میں مانگتا ہے۔ یہ ظلم نہیں تو کیا ہے۔ میرے مہمان کو اگر آپ ذلیل و رسوا کرنا چاہتے ہیں تو یزید کا ضربے۔ پکڑ کر بھجوا دیا جائے ورنہ درگزر فرمائیے۔ ولید نے لکھا۔ نہیں یزید کو ضرور واپس بھجوا دو اور بیڑیاں پہنا کر بھجو۔

یہ خط دیکھ کر سلیمان نے یزید اور اپنے بیٹے یوب کو بلا لیا۔ اور دونوں کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالیں۔ پھر ساتھ بندھوایا اور دو چھروں پر لٹا کر حلیفہ کے پاس بھجوا دیا۔ اور یہ خط لکھا۔

اب بعد اے امیر المومنین میں یزید اور آپ کے بھتیجے یوب کو روانہ کرتا ہوں اور جی تو یہ چاہتا تھا کہ اسی صورت سے خود بھی حاضر ہوتا۔ اگر امیر المومنین یزید کو قتل کرنا چاہیں تو آپ کو خدا کی قسم ہے۔ پہلے یوب کو قتل کیجئے گا پھر یزید کو اور جی چاہے تو ان کے بعد مجھے بھی۔ یہ خط اور دونوں قیدی کا پابہ زنجیر حلیفہ کے حضور میں ایک ساتھ بندھے ہوئے پہنچے۔ ولید نے اپنے

بھتیجے شاہزادہ ایوب کو اس حالت میں دیکھ کر شرم سے سر جھکا لیا۔ اور کہنے لگا میں نے سلیمان کے ساتھ برا سلوک کیا۔ کہ یہاں تک نوبت پہنچی۔ پھر یزید نے فیلفہ سے گفتگو شروع کی اور اپنے بے خطا ہونے کا ثبوت دینے لگا۔ ولید نے کہا اب تمہیں کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہمیں تمہاری بے گناہی اور حجاج کا ظلم معلوم ہو گیا اسی وقت لوہار کو بلوا کر دونوں کی زنجیریں کٹوائیں اور بہت افساق سے پیش آیا۔ اپنے بھتیجے ایوب کو تیس ہزار اور یزید کو بیس ہزار درہم عطا کر کے عزت کے ساتھ وہ دونوں کو سلیمان کے پاس بھیج دیا اور حجاج کو اس مضمون کلخط لکھ بھیجا۔ تم یزید کو اب کبھی گرفتار نہ کرنا۔ نہ آئندہ سے برا سلوک کیا جائے۔ اور نہ ان کی نسبت کچھ کہا جائے۔ یزید اس شان سے سلیمان کی خدمت میں پہنچا۔ اور عرصے تک عزت و احترام سے رہا۔ سلیمان نے مہمانی کا پورا حق ادا کیا اور ذلت سے بچا لیا۔ اس سے بڑھ کر حق مہمانی کی ایک اور کہانی تمہیں سناتے ہیں۔

باپ کے قاتل کو معافی

(حق بہانی)

جس وقت بنی امیہ کے خاندان سے اسلامی بادشاہی جاتی رہی اور بنی عباس بادشاہ ہونے لگے ہیں۔ یہ وقت اس گھرانے کے لئے بڑی مصیبت کا وقت تھا بہت سے بے گناہ اپنی جان بچاتے خوف کے ماسے ادھر ادھر پھرتے پھرتے تھے۔ ان میں ایک شہزادہ ابراہیم، سلیمان بن عبدالملک کا بیٹا بھی تھا۔ یہ نوجوان شہزادہ نوجوان عالم، فاضل، ادیب اور قابل آدمی تھا چند معزز اور شریف لوگوں کی سفارش پر خلیفہ ابو العباس سفاح نے اس کو امان سے دی۔ اور یہ عزت بخشی کہ ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ ایک روز خلیفہ نے پوچھا! ابراہیم! جس زمانے میں تم اپنے دشمنوں سے جان بچاتے اور پھرتے پھرتے تھے کیا تم پر کوئی ایسا واقعہ بھی گذرا ہے جو یاد رکھنے کے قابل اور حیرت میں ڈالنے والا ہو۔

ابراہیم: حضور ایک عجیب قصہ گزرا ہے جو نہ میں نے پھر دیکھا اور نہ سنا اور جس کا اثر دل پر اب تک ہے۔

امیر المومنین، مقام حیرہ میں ایک جنگل کے کنارے پر ایک مکان سا بنا ہوا ہے۔ میں اس میں روپوش تھا۔ ایک روز اوپر چڑھ کر ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ کہ چند سیاہ جھنڈے نظر آئے جو کونے سے چل کر حیرہ میں آ رہے تھے میں سمجھا یہ لوگ میری تلاش میں ہیں۔ چھت سے اتر کر جھٹ مکان کے پھوپھٹ نکل کر کونے چل دیا۔ وہاں کوئی میرا ایسا جاننے والا نہ تھا جس کے پاس چھپ جاتا بہت پریشان اور رنجیدہ تھا۔ گھبرا گھبرا کر ادھر ادھر دیکھتا جا رہا تھا کہ ایک بڑے دروازے پر نظر پڑی معلوم ہوا کہ اندر بہت وسیع صحن ہے۔ میں اندر داخل ہوا تو دیکھا ایک دوسرے جسم کا خوب صورت آدمی صحن میں آ رہا ہے۔ ساتھ میں چند خادم بھی ہیں۔ گھوٹے سے اتر کر میری طرف دیکھا اور پوچھا!

تم کون ہو۔ اور کیوں آئے؟

میں نے کہا ایک پریشان اور خوف زدہ آدمی ہوں جان کا اندیشہ ہے آپ کے مکان میں پناہ لینے آیا ہوں۔ یہ سن کر وہ جوان مجھے مکان کے اندر لے گیا۔ اور ایک فاصلے میں رکھا جو بالکل زناہ مکان سے ملا ہوا تھا میں کئی روز تک یہیں نہایت آرام سے رہا۔ کھانے پینے، پینے کی عمدہ

عمدہ چیزیں میری خواہش کے موافق حاضر رہتی تھیں۔ اس نے مجھ سے کہی یہ نہ پوچھا کہ تم کون ہو اور یہاں تک کیوں کر پہنچے۔ میں دیکھتا تھا کہ روزانہ صبح سویرے گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں چلا جاتا ہے۔ اور پھر ظہر کے قریب واپس آتا ہے۔

ایک روز خود میں نے پوچھا۔ آپ روزانہ کہاں اور کس غرض سے جاتے ہیں۔

نوجوان بولا۔ بھائی میرے باپ کو ابراہیم بن سلیمان نے بلا وجہ قتل کر ڈالا۔ معلوم ہوا ہے کہ حیرہ میں روپوش ہے اسی کی تلاش میں جاتا ہوں۔ تاکہ اپنے مرحوم باپ کا بدلہ لے سکوں۔ ابراہیم کہتے ہیں امیر المؤمنین اس نوجوان سے یہ سن کر میں حیران رہ گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا۔ میری قضا مجھے یہاں تک لانی ہے اور جو میرے خون کا پیا سا ہے۔ اس کے ہاتھ میں پہنچا دیا ہے۔ خدا کی قسم امیر المؤمنین میں اس وقت اپنی زندگی سے بیزار اور موت کا منتظر تھا۔

میں نے نوجوان اور اس کے باپ کا نام دریافت کیا۔ واقعی وہ سچ کہتا تھا۔ بیشک میں نے اس کے باپ کو قتل کیا تھا۔ پھر میں نے اس سے کہا بھائی سنو، مجھ پر تمہارا حق ہے اور ضرور ہے۔ تم نے میرے ساتھ بڑا انسان کیا ہے۔ اور اس کا یہی تقاضا ہے کہ تمہارے دشمن کا پتہ لگانا

بلکہ سامنے لاکر کھڑا کروں۔
 وہی نوجوان۔ صرف ہلیہ بتا دو۔ اور یہ کہ کہاں ہے اور
 کون ہے۔

ابراہیم۔ تمھارے باپ کا قاتل میں ہوں۔ مجھ سے بدلے لو اور
 میرا خاتمہ کر دو۔

نوجوان۔ (مسکرا کر اور یقین نہ کر کے) رات دن کی روپوشی اور اہل
 دعیال سے دوری نے بہت نمگین اور جان سے بیزار کر دیا ہے۔ اسی
 وجہ سے تم زندگی کو موت سے زیادہ عزیز سمجھ رہے ہو۔

ابراہیم۔ نہیں خدا کی قسم میں سچ کہہ رہا ہوں۔ تمھارے والد کو
 فلاں دن فلاں سبب سے میں نے ہی قتل کیا تھا۔

نوجوان بچ گیا کہ ابراہیم سچ کہہ رہا ہے۔ اس کے چہرے کا رنگ
 بدلا۔ دونوں آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ دیر تک خاموش کھڑا کچھ سوچتا
 رہا۔ پھر کہنے لگا۔ اگر تم ہی میرے باپ کے قاتل ہو تو خیر ایک دن خدا
 کے سامنے میرے والد مرحوم تمھاری گردن پکڑیں گے اور اس عادل
 حاکم کے سامنے خون کا بدلہ لیں گے۔ میں بد بھدی اور بے وفائی
 نہیں کر سکتا۔ میں نے امان دی ہے اسے تو ڈر ذلیل نہیں کر سکتا۔
 مگر اب بھلائی اس میں ہے کہ تم میرے گھر سے چلے جاؤ۔ ویسے

ہزارا شرفیاں اور زاد راہ حق بہانی کی دیتا ہوں اب میں تمہاری صورت نہ دیکھوں۔

ابراہیم کو بڑی غیرت آئی اور اس کی شرافت کا دل پر بہت اثر ہوا۔ روپیہ لینے سے تو انکار کر دیا۔ لیکن جان بچا کر وہاں سے چل گئے۔

ابراہیم کہتے ہیں کہ امیر المومنین اس سے بڑھ کر اپنے عہد کا پابند اور شریف آدمی میں نے نہیں دیکھا اور نہ اس واقعے سے بڑھ کر حیرت میں ڈالنے والا کوئی اور واقعہ میں نے دیکھا۔ سنا۔ اللہ اللہ۔

مامون اور ایک ضعیفہ

خلیفہ مامون ایک روز بیٹھا ہوا مقدمات کا فیصلہ کر رہا تھا۔ وقت آخر ہو چکا تھا۔ اور یہ اٹھنے ہی کو تھا کہ ایک بوڑھی عورت آگے بڑھی صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ مسافر ہے۔ پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے اور بہت پریشان حال۔ اس نے بلند آواز سے کہا۔

امیر المؤمنین السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مامون نے یحییٰ بن اکثم کی جانب دیکھا جس کا یہ مطلب تھا کہ پوچھو کون ہے کہاں سے آئی ہے۔ کیا کہنا چاہتی ہے یحییٰ نے اس سے کہا اے اللہ کی بندی دلیکلم السلام، کہو کیا کہنا چاہتی ہو۔؟

ضعیفہ نے کڑک کر دو شعر پڑھے جن کا مضمون یہ تھا۔

اے بہترین انصاف کرنے والے، اے منصف مام جس کے عدل کی روشنی سے تمام ملک روشن ہو رہا ہے۔ اے ساری قوم کے بھروسے والے اے خدا کی نظر سے ہدایت پانے والے ایک غریب بیوہ حضور کے سامنے فریاد لے کر آئی ہے اس بڑھیا پر ظلم ہوا ہے۔ میرا سارا مال و اسباب چھین لیا ہے بہت منع کیا مگر ظالم نہ مانے۔ میرے گھر والے اور میرا بچہ بھی مجھ سے چھڑا کر قید میں ڈال دیا گیا ہے یہ شعر بڑھیا نے کچھ اس انداز سے پڑھے کہ مامون کے دل پر بہت اثر

اس نے گردن جھکائی۔ پھر تھوڑی دیر بعد سراٹھا کر کہا۔ اے ضعیفہ تو نے جو کچھ کہا میں سن کر متیاب ہو گیا ہوں میرا دل اور جگر تیرے بیان سے زخمی ہو گیا ہے لیکن عصر کی نماز ہو چکی ہے اور عدالت کا وقت گزر چکا ہے اب تو گھر جاؤ۔ ہم اگر ہفتے کے دن بیٹھ سکتے تو خیر ورنہ تو ار کے دن ضرور تمہارے مقدمے کا مناسب فیصلہ کیا جائے گا۔ تو ار کو پیش کرنا۔

بوڑھی عورت غیظہ کا یہ مہربانی اور تسلی سی بھرا ہوا جواب سن کر خوش خوش چلی گئی۔

تو ار کے دن اپنے وعدے کے موافق بادشاہ پھر بیٹھا۔ سب سے اول یہ بڑھیا حاضر ہوئی اور آتے ہی کہا۔

بڑھیا: امیر المؤمنین۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مامون:۔ وعلیکم السلام۔ تمہارا دو سرا فریق کہاں ہے۔ اور تم پر کس نے ظلم کیا ہے۔

بڑھیا:۔ یہ حضور کے سر کے پاس کھڑے ہوئے ہیں اے امیر المؤمنین یہ

کہہ کر مامون کے بیٹے عباس کی طرف اشارہ کیا۔

مامون:۔ (دربار کے ایک شخص احمد بن خالد سے) احمد بن خالد ان

کا ہاتھ پکڑ کرے جاؤ اور بڑھیا کے پاس کھڑا کرو۔ جہاں اور مقدمے والے کھڑے ہوتے ہیں۔

اسی وقت حکم کی تعمیل ہوئی۔ شہزادہ عباس باپ کے پاس سے دور

کر کے ایک بڑھیا کے برابر کھڑا کر دیا گیا۔ اور بیان ہونے لگے۔ بڑھیا کی آواز بار بار بادشاہ زائے کی آواز سے زیادہ بلند ہوتی تھی۔ آخر احمد بن خالد نے کہا اے اللہ کی بندی تم امیر المومنین کے سامنے کھڑی ہو۔ امیر المومنین سے باتیں کر رہی ہو۔ ذرا اہستہ بولو۔ اتنی زور سے نہ بولنا چاہئے۔

ماموں :- نہیں۔ نہیں، احمد! اسے بولنے دو۔ یہ حق پر ہے۔ حق اور سچائی نے اس کی آواز بلند اور عباس کی آواز پست کر دی ہے۔ بیشک یہ سچ کہتی ہے شہزادہ فاموش ہو گیا۔ اور حضرت خلیفہ نے بڑھیا کے موافق فیصلہ صادر فرمایا۔ بڑھیا پر جو ظلم ہوئے تھے شہزادے کو اس کی سزا دی جس قدر نقصان ہوا تھا اس کا تادان دلوا دیا اور جہاں بڑھیا کا گھر بار یا زمین و جائداد تھی وہاں کے تحصیل دار کو لکھ بھیجا فوراً اس کی زمین واپس دی جائے اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ پھر خلیفہ نے خود بھی اپنی ہیرانی اور شفقت سے بڑھیا کو چھوٹا وظیفہ مقرر فرمادیا یوں اس کے زخموں پر مرہم رکھا۔ فریاد سن کر مصیبت سے نجات دی اور احسان کر کے اپنا نام روشن کیا۔

ٹیپو سلطان کی قدردانی

ٹیپو سلطان میسور میں بڑا بہادر اور سپاہیوں کی بڑی قدر کرنے والا بادشاہ تھا ایک باریہ کوڑبال کی طرف اپنی فوج لئے ہوئے جا رہا تھا راستے میں خبر ملی کہ انگریزی فوج قلعہ نگر کی مدد کے لئے بہت سا سامان لئے ہوئے آ رہی ہے۔ بادشاہ نے اپنے سواروں اور پیدل سپاہیوں کو حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ یہ بہادر فوج اپنے آقا کا حکم پاتے ہی دشمن کی سپاہ پر ٹوٹ پڑی۔ توپ خانے نے گولے برسائے شروع کر دی خود بادشاہ نے بھی اپنے خاص سواروں کو لے کر دھاوا کر دیا۔ انگریزی فوج کے سپہ سالار (جنرل) نے جان توڑ مقابلہ کیا۔ بہت کوشش سے فوج کو لڑایا مگر سلطان کی فوج نے میدان جیت لیا۔ دشمن کی فوج کا تمام سامان اور مال و زر سلطان کے قبضے میں آ گیا۔ اس فتح کی بادشاہ کو بہت خوشی ہوئی۔ اس نے ہر سپاہی کو انعام میں سونے کے کڑے پہنائے اور سرداروں کو الماس۔ اور جو اہرات کے ہار عطا فرمائے اور اپنی قدر دانی کا ثبوت دیا۔

مامون اور ایک غریب عالم

عباسی بادشاہوں میں مامون سب سے بڑھ کر عالم فاضل اور علم و عمل کا قدردان تھا۔ ہفتے میں دو دن علمی بحثوں کے لئے مقرر تھے۔ شاہی محل میں مجلسیں ہوتی تھیں جن میں خود بھی شریک ہوتا تھا۔ ایک روز حسب دستور مجلس ہونی بڑے بڑے عالم اور خود مامون اپنی مسند پر موجود تھا کہ ایک شخص اندر داخل ہوا۔ پھٹے پرانے کپڑے پہنے تھا۔ صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ مسافر اور غریب و جاہل آدمی ہے یہ سب کے پیچھے ادنیٰ ادب کی جگہ پر بیٹھ گیا۔

یہاں کا دستور تھا کہ ایک مسئلہ چھیڑ دیا جاتا تھا۔ ہر عالم باری باری سے اپنی رائے ظاہر کرتا تھا۔ چنانچہ آج بھی ایک مسئلے پر بحث ہوتی رہی۔ اس غریب کی آخریں باری آئی تو اس نے ایسا جواب دیا کہ ساری مجلس دنگ رہ گئی۔ قاصد خلیفہ مامون نے تو بہت ہی پسند کیا اور عزت کے ساتھ عمدہ جگہ پر بٹھایا۔ پھر دو سراسر مسئلہ شروع ہوا اور رفتہ رفتہ اس مسافر تک پہنچا اس دفعہ پہلے جواب سے بھی بہتر اور عمدہ جواب دیا۔ مامون اور زیادہ خوش ہوا اور پہلے سے بھی بہتر جگہ دلوانی۔ اب تیسرا مسئلہ بحث میں آیا سب نے اپنی اپنی رائے ظاہر کیں جب اس غریب عالم کی توبت آئی تو اب کے اگلے دو دنوں جوابوں سے بہتر

جواب دیا اب تو ماموں نے اپنے پاس ہی بٹھالیا اور بہت عزت کی۔
 مناظرہ ختم ہونے کے بعد پانی آیا۔ علمائے ہاتھ دھوئے۔ پھر دسترخوان
 بچھایا گیا اور کھانا چاکھا گیا کھانے کے بعد سب علمائے اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ ماموں نے
 انھیں روک لیا اور بے حد اخلاق و کرم کا بتا دیا۔ بہت کچھ انعام و اکرام کا وعدہ فرمایا۔
 اب مجلس شراب آراستہ ہوئی۔ خوش مذاق و زندہ دل مصاحب حاضر
 تھے، جام کا دور جب اس مسافر کے پاس پہنچا تو اس نے اٹھ کر کہا امیر المومنین
 اجازت ہو تو میں صرف ایک بات عرض کروں۔
 ماموں۔ ہاں، ہاں کہتے۔

عزب عالم، حضور پر روشن ہو کہ علمائے کی شاندار مصلحت میں یہ غلام ادنیٰ
 درجے پر تھا۔ مگر امیر المومنین نے مرتبہ بڑھایا اس بنا پر کہ غلام کے منہ سے
 عقل کی بات نکلی۔ حضور نے یہ مرتبہ بخشا کہ خواب میں دیکھنا نصیب نہ ہوا تھا اب
 امیر المومنین اس عقل کو کھویا چاہتے ہیں جس نے ذلت سے نکال کر غلام کو
 یہ عزت دلائی اور تکلیف کے بعد راحت دکھائی۔ غلام شراب پیئے گا تو یہ عقل
 دہوش ضرور جاتے رہیں گے جہالت آجائے گی اور پھر اسی پہلے ذلیل و حقیر مرتبے
 پر پہنچ جائے گا۔ پس میں شراب سے معافی چاہتا ہوں اور چاہتا ہوں
 کہ وہ عزت فضل و علم و شرافت کی مجھ سے نہ چھینی جائے۔
 ماموں یہ تقریر سن کر بہت زیادہ خوش ہوا۔ اس کا شکریہ ادا کیا

اور اپنی مسند شاہی پر بٹھایا بہت عزت بڑھائی۔ ایک لاکھ درہم انعام اور
 بھاری صلعت دیا۔ اور ایک عمدہ گھوڑے پر سوار کر کے گھر بھجوا دیا اس روز
 سے ماموں کی ہر مجلس میں یہ غریب عالم شریک ہوتا تھا۔ ماموں نے اس
 کی عزت بڑھانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ تمام علماء سے زیادہ اس کی قدر
 ہوتی تھی۔

علم عجیب دولت ہے۔ یہ ضرور آدمی کو بڑے مرتبے پر پہنچاتا ہے
 عزیز آدمی بھی علم سے دنیا میں عزت پیدا کر سکتا ہے۔

خلیفہ منصور اور سردار معن بن زائدہ

ایک خارجی خلیفہ منصور کے زمانے میں اکثر فتنے اٹھاتا رہتا تھا۔ مگر کسی طرح قبضے میں نہ آتا تھا۔ منصور نے حکم دے دیا کہ جہاں ملے قتل کیا جائے اور جو گرفتار کر کے لائے گا اسے ایک لاکھ درہم انعام دیا جائے گا ایک روز وہ پھٹا پھٹا باغداد میں کسی طرف جا رہا تھا کہ اس کے ایک ہم وطن کو فنی نے پہچان لیا اور لپک کر پکڑ لیا۔ اور پکارا دوڑو، دوڑو یہ امیر المومنین کا باغی مجرم ہے۔ اتفاقاً دھرسے معن بن زائدہ بھی گزرا۔ یہ عباسی حکومت کا بڑا، معزز اور جان نثار سردار تھا۔ حکومت اس کو بہت مانتی اور عزت کرتی تھی۔ مجرم معن کو دیکھ کر پکارا۔ خدا کے لئے مجھے پناہ دیجئے اور بچائیے۔ خدا آپ کو اپنی پناہ میں رکھے گا۔

معن نے گھوڑا روک لیا اور پوچھا کیا قصہ ہے۔

کوئی؛۔ یہ امیر المومنین کا باغی مجرم ہے۔ امیر المومنین کا حکم ہے کہ جہاں ملے قتل کیا جائے اور گرفتار کرنے والے کو ایک لاکھ انعام ہے۔

معن :- ہم کہتے ہیں کہ چھوڑ دو (پھر اپنے ایک غلام سے) تم اپنی سواری پر سے اتر کر اسے سوار کر لو۔

کوئی :- چلا کر دوڑو! یہ شخص امیر المومنین کے باغی کو چھڑا کرے جانا چاہتا ہے اور میرے ایک لاکھ کا نقصان کر رہا ہے۔

معن کو دیکھ کر کس کی مجال تھی کہ لگے بڑھتا۔ معن نے کہا! جاؤ امیر المومنین سے کہ دو کہ باغی ہمارے پاس ہے۔ یہ کہہ کر معن تو خارجی باغی کو اپنے ساتھ لے کر چل دیا اور انعام کا لالچی کوئی شاہی محل پر پہنچا۔ اندر اطلاع ہوئی اور خلیفہ کے حضور میں سارا قصہ بیان کر دیا گیا۔

اسی وقت معن بھی یاد فرمایا گیا۔ اس نے اپنے تمام گھروالوں، غلاموں اور بچوں کو، عزیزوں، دوستوں، مصاحبوں کو غرض اپنے تمام متعلقین کو بلا کر کہا دیکھو۔ اس شخص کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ میں نے اسے پناہ دی ہے۔ ہمیشہ اس کا خیال رکھنا۔ میں خدا کی قسم فرے کر وصیت کرتا ہوں۔ اس کے بعد وہ دربار خلافت میں پہنچا۔ حضور خلیفہ کو نہایت ادب سے سلام کیا مگر منصور نے غصے کے مارے جواب نہ دیا اور یہ کہا کیوں معن تم ہمارے مخالف کو پناہ دیتے ہو۔

معن :- جی ہاں

منصور :- اور کہتے ہو جی ہاں۔ منصور کے غصہ کی آگ اور

بھڑک اٹھی۔

معن :- یا امیر المومنین! بارہا میری خیر خواہی کی آزمائش ہو چکی ہے میں نے کیسے کیسے مصائب اٹھائے ہیں۔ کئی مرتبہ اپنی جان پر کھیل گیا ہوں کتنی دفعہ اپنا خون بہایا ہے۔ حکومت اور خلیفہ کی کتنی بار خدمت کی۔ کیا میری خدمات اس قابل بھی نہیں کہ میں ایک مجرم کو پناہ دے سکوں اور وہ میری خاطر ہا کر دیا جائے۔ لوگوں کے سامنے اس نے مجھ سے پناہ مانگی ہے اور محض اس خیال سے کہ میں بھی امیر المومنین کا فاضل غلام ہوں۔ اسے جان بخشی کی امید ہوئی۔ بہر حال میں تو پناہ دے چکا۔ اب میں حاضر ہوں حضور جو چاہیں کریں۔

منصور پر اس تقریر سے سناٹا پھا گیا۔ دیر تک گردن جھکاتے غور کرتا رہا اتنی دیر میں عصفہ ٹھنڈا ہو گیا تھا پھر سراٹھا کر کہا۔ معن جسے تم نے پناہ دی ہم بھی تمہاری خاطر اسے پھوڑتے ہیں۔

معن :- حضور کا کس زبان سے شکریہ ادا کروں۔ اگر امیر المومنین کی رائے ہو کہ میری پناہ کا اثر دونا ہو جائے تو اسے حضور کچھ انعام بھی عطا فرمائیں یہ ایسا ہو کہ جان بھی دی اور مال بھی دیا۔

منصور :- اچھا پچاس ہزار درہم عطا کئے۔

معن :- حضور صیسی رعایا کی خطا ہو دی سی سی خلیفہ کی عطا ہونی چاہئے

وہ بڑا خطا دار ہے۔

منصور :- اچھا ایک لاکھ درہم عطا کئے۔

معن :- مگر حضور اسی وقت ملنا چاہتے بھلائی کے کاموں میں

ویرا پھی نہیں ہے۔

منصور نے اسی وقت حکم دیا کہ ایک لاکھ درہم ابھی معن کے گھر

بھجوادے جائیں۔

معن روپیہ لے کر گھر لائے اور اپنے ہمان سے کہا! لو یہ انعام جان بھی

پچی، مال بھی ملنا اپنے گھر کا راستہ لو۔ اب کبھی بادشاہوں کے خلاف کوشش نہ کرنا۔

خارجی یا تو جان کی خیر منا رہا تھا۔ انعام کی خبر سن کر خوشی سے باغ

باغ ہو گیا۔

حضرت عمرؓ اور ایک بڑھیا

حضرت عباسؓ ایک روز رات کو حضرت عمرؓ سے ملنے چلے۔ راستے میں ایک بدو نظر آیا۔ اس نے بڑھ کر عباسؓ کا دامن پکڑ لیا۔ اور کہا عباسؓ کہاں جلتے ہو۔ میرے ساتھ چلو۔ اندھیری رات تھی آپ نے غور سے دیکھا تو امیر المومنین عمرؓ ایک بدو کے بھیس میں تھے عباسؓ نے مبارک ہاتھوں کو بوسہ دیا اور پوچھا۔ امیر المومنین اس تاریک رات میں کہاں کا ارادہ ہے۔ امیر المومنین: شہر کے محلوں میں گشت لگانے اور لوگوں کے حالات معلوم کرنے جا رہا ہوں۔

عباسؓ بھی ساتھ ہوئے۔ آگے آگے حضرت عمرؓ تھے۔ اور پیچھے پیچھے عباسؓ۔ ایک سرے سے تمام عرب گھروں، جھونپڑیوں اور خیموں کا چکر لگا لیا۔ واپس ہونے کو تھے کہ ایک جھونپڑے پر نظر پڑی دیکھا کہ ایک بڑھیا چولھے کے پاس بیٹھی ہوئی ہے اور چند بچیاں اس کے پاس بیٹھی بلک رہی ہیں ہانڈی چولھے پر ہے اور چولھے میں آگ جل رہی ہے۔ بڑھیا بچیوں سے کہہ رہی ہے۔ ٹھیرو صبر کرو۔ روؤ نہیں۔ کھانا تیار ہوا جاتا ہے لیکن بچیاں غموش نہیں ہوتیں۔ یہ رونا بلکنا دیکھ کر دل ہل گیا۔ دونوں ٹھہر گئے کہ دیکھیں کیا اجرا

ہے۔ حضرت عمرؓ کبھی غور سے بڑھیا کو دیکھتے تھے اور کبھی لڑکیوں کو۔ بڑی دیر ہو گئی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ بات کیا ہے۔

عباسؓ نے کہا:۔ امیر المؤمنینؓ چلے بہت دیر ہو گئی۔

حضرت عمرؓ۔ خدا کی قسم جب تک یہ بچیاں کھانا نہ کھالیں میں نہ جاؤں گا۔

عرض بہت عرصہ ہو گیا۔ حیرت تھی کہ نہ چوٹے سے ہانڈی اترتی ہے نہ

سارے کھانا آتا ہے معصوم لڑکیاں برابر رو رہی ہیں اور بڑھیا ہی کہنے جاتی ہے۔

گھبراؤ نہیں ابھی پکا جاتا ہے روؤ نہیں چپ ہو جاؤ۔ ابھی کھانا دیتے ہیں۔

آخر حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا۔ فرمایا چلو عباسؓ پاس چلکر معلوم کریں کہ بات کیا ہے

دونوں رخسے میں گئے حضرت عمرؓ نے بڑھیا کو سلام کیا۔ بڑھیا نے نہایت تہذیب سے جواب دیا۔

پھر عمرؓ نے کہا۔ فالہ کیا بات ہے۔ کہ بچیاں دیر سے رو رہی ہیں۔

بڑھیا:۔ بھیا بھوک کے مارے رو رہی ہیں۔

حضرت عمرؓ:۔ آخر کھانا کیوں نہیں دیتیں۔

بڑھیا:۔ ہانڈی میں کچھ ہے ہی نہیں۔ یوں ہی بہلا رہی ہوں۔ اور چاہتی

ہوں کسی طرح نیند آ جائے اور یہ لڑکیاں سو رہیں۔

حضرت عمرؓ نے ہانڈی کھول کر دیکھا تو کچھ نہ تھا۔ پانی میں کنکریاں کھول رہی

تھیں آپ نے حیرت سے پوچھا۔ آخر اس سے کیا فائدہ ہے۔

بڑھیا:۔ بچیاں سمجھیں کہ کچھ پک رہا ہے۔ ذرا ان کو تسلی رہے گی

حضرت عمر ایسا کیوں کرتی ہو۔

بڑھیا۔ میرا کوئی عزیز وارث نہیں۔ نہ بھائی ہے نہ باپ نہ ان بچیوں کا باپ

نہ کوئی اور رشتے دار۔ غریبی اور محتاجی سے یہ حالت ہو رہی ہے۔

حضرت عمرؓ پھر امیر المومنین سے جا کر گویں نہیں کہتیں وہ تمہارا بچہ و خلیفہ مقرر کر دیں گے۔

بڑھیا۔ خدا عمر کو موت دے اس کے بادشاہی بھٹندے کو غارت و سرنگوں

کریے۔ اس نے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے۔

حضرت عمرؓ کانپ کر، عمر نے اور تم پر ظلم۔

بڑھیا۔ ہاں، ہاں خدا کی قسم بڑا ظلم کیا ہے۔ حاکم کا کام ہے کہ رعایا کی خبر گیری کے اور

بجھالیسی، غریب، محتاج بچوں والی بیوہ کی مدد کے اور قومی خزانے سے کچھ مقرر کرے۔

حضرت عمرؓ غالباً ہستوری تھا کہ تم خود جا کر عمر کو اپنی حاجت بتائیں وہ ضرور نیاں کہتے۔

بڑھیا۔ ہنیں خدا کی قسم یہ مجھے ہرگز نہیں چاہئے تھا۔ ایک شریف اور اپنا

فرض بھانسنے والا سردار خود اپنی رعایا کی حاجتیں معلوم کرتا ہے اور کرنا

چاہئے۔ ممکن ہے کوئی شریف حاجت مند عورت خود شرم کے مائے جانا

پسند کرے اور نہ جاسکے۔ اور یہ بھی کوئی طریقہ ہے رعایا جا جا کر اپنی حالت بتائے

اپنا دکھڑا روئے۔ خدا نے حاکم کس لئے بنایا ہے اسے خود رعایا کی خبر لینے

چاہئے۔ اور بادشاہ بے پرواہی سے کام لے اور ایسا نہ کرے تو یہ اس کا ظلم ہے۔

حضرت عمرؓ وہ فالج سچ کہتی ہو۔ اچھا گھڑی بھڑکیوں کو اور ہلداؤ میں ابھی آتا ہوں۔

یہ کہہ کر خیمے سے باہر آئے اور وہی سے زیادہ رات گزر چکی تھی کتے بھونکنے اور کاٹنے کو دوڑتے تھے۔ بہ مشکل ان سے بچا کر حضرت عمر و عباس سیدھے نکلے کے گودام میں پہنچے۔ آپ نے قفل کھولا اور اندر گئے۔ ادھر ادھر دیکھا تو آٹے کی ایک بورمی نظر آئی جس میں سوامن اٹا تھا۔ فرمایا عباس اسے میرے کاندھے پر لاد دو اور یہ گھٹی کی ہانڈی اٹھا کر میرے ہاتھ میں لے دو حضرت عباس نے ایسا ہی کیا۔ قفل بند کر کے دونوں بڑھیا کے یہاں چلے آدھے راستے سے عباس نے کہا اے امیر المؤمنین اب مجھ پر لاد دیجئے۔

حضرت عمرؓ نے نہیں ہرگز نہیں کیا میرے گناہوں کا بوجھ تم اٹھا سکو گے پھر سرمایہ ظلم زیادہ ہو یا کم مگر اس کا بوجھ لوہے کے پہاڑوں کے بوجھ سے زیادہ ہے۔ کیا یہ کوئی بھول سکتا ہے کہ ایک محتاج بڑھیا کنکریاں پگاتی ہے اور میں خبر نہیں کہ کس مصیبت میں مبتلا ہے۔ یہ خدا کے نزدیک بڑا گناہ ہے۔ تم میرے ساتھ جلدی چلے آؤ تاکہ ہم جلد پہنچ جائیں۔ اور بچیاں رو رو کر سونے نہ پائیں حضرت عمر ایسے دوڑتے جا رہے تھے کہ بیل کی طرح ہانپنے لگے۔ خدا خدا کر کے بڑھیا کے خیمے میں پہنچے۔ آٹے کا تھیلہ اٹھائی اتارا۔ اور خود ہانڈی سے کنکریاں نکال کر پینکیں۔ پانی، اٹا، گھٹی ڈال کر چولھے پر رکھا لکڑیاں گیلی تھیں آگ مشکل سے سلگی۔ آپ منہ سے آگ پھونکتے جاتے تھے اور یہ حال تھا کہ دھواں آنکھوں میں گھس رہا تھا ڈاڑھی اور سر کے بالوں سے چھن چھن کر نکل رہا تھا جب تک

آگ تہ علی برابر منہ سے پھونکتے اور ہانڈی ہاتھ سے چلاتے سے کھانا تیار ہو گیا
 اتار کر نکالا، ٹھنڈا کیا اور خود اپنے مبارک ہاتھوں سے بچیوں کو کھلایا۔ پلایا۔
 بچیوں کا جب پیٹ بھرا تو پیسنے اور کونے اچھلنے لگیں۔ اب حضرت عمر نے
 ضعیف سے فرمایا۔ خالہ کل تم امیر المؤمنین کے پاس جانا وہ تمہیں گھر پر ملیں
 گے اور ضرور تمہارا خیال کریں گے۔

اب آپ کے دل کو چین آیا اور رخصت ہو ہے۔ راتے میں حضرت
 عباس سے فرمایا۔ عباس جس وقت میں نے بیٹھیا کو کنکریاں پکاتے اور
 جھوٹ موٹ بچیوں کو بہلاتے دیکھا ہے تو یہ معلوم ہوا کہ میرے سر پر پہاڑ
 ٹوٹ کر آپڑا ہے۔ اور جب میں بچیوں کو کھانا کھلا چکا اور خوش دیکھ لیا تب
 یہ بوڑھ میرے سر سے اُترا۔

صبح بڑھیا حضرت فلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ نے اس سے
 معافی مانگی۔ معذرت کی اور مناسب ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ اللہ، اللہ کیا
 اخلاق اور رعایا پروری تھی۔

خلیفہ منصور اور ایک نڈر ناصح

ایک سال خلیفہ منصور حج کو مکہ معظمہ گیا۔ اور مقام ”الندوہ“ میں قیام کیا۔ یہ وہ مشہور مکان تھا۔ جہاں اسلام سے پہلے قریش سردار مشورے کے لئے جمع ہوا کرتے تھے منصور روزانہ خانہ کعبہ میں طواف کے لئے ایسے وقت میں جانا چاہتا اور جاتا تھا جب کہ وہاں کوئی نہ ہو ایک روز کچھ رات بے وہ طواف کر رہا تھا کہ ایک ایسی آواز کان میں آئی۔ کہ وہ چونک پڑا۔ دیکھا کہ ایک شخص غلاف کعبہ کو تھامے بہت درد کے ساتھ یہ دعا کر رہا ہے۔

خدا یا میں تیرے سامنے فریاد لے کر آیا ہوں کہ دنیا میں اب فتنہ و فساد بہت پھیل گیا ہے۔ ظالم اور لالچی حق داروں کے حق مار رہے ہیں اور مظلوم کی کوئی حمایت نہیں کرتا۔ انصاف اور خدا کا خوف دونوں ناپید ہو گئے ہیں۔ دنیا پر تنہا حکومت کرنے والے موجود ہیں۔ تیرا جم کب تک ان مفسدوں کو مہلت دے جائے گا اور تیرا تہر کب تک ان ظالموں پر نازل نہ ہوگا۔

منصور یہ دل ہلاکنے والی فریاد سن کر سیدھا اپنی قیام گاہ پر آیا

اور اپنے اردنی کے سوار کو بھیجا کہ اس وقت جو شخص کعبہ میں طواف کر رہا ہو اسے فوراً یہاں لے آؤ۔ سوار جا کر پکڑ لایا۔

منصور نے نہایت غصے کے ساتھ دیکھ کر کہا خدا سے تم کس کی شکایت کر رہے تھے فتنہ و فساد کس نے دنیا میں مچا رکھا ہے اور وہ کون ظالم لالچی ہے جو لوگوں کے حقوق مارتا ہے۔ خدا سے ہنسیں ڈرتا اور غریبوں پر ظلم کرتا ہے۔ وہی شخص :- امیر المومنین جو شخص لالچ میں گرفتار ہے جو لوگوں کے حقوق خصب کر رہا ہو جس کے سبب فتنہ و فساد پھیل گیا ہے۔ وہ حقیقت میں حضور ہی ہیں۔

منصور غصے سے اور ساگ بگولا ہو گیا اور بگڑ کر بولا۔ او کجنت میں کیوں گرفتہ و فساد کا باعث اور ظالم لالچی ہو سکتا ہوں تہی بڑی حکومت اور دولت میرے ہاتھ میں ہے۔ سونے چاندی کے ڈھیر میرے دروازے پر لگے ہوئے ہیں میری بادشاہی سے دنیا کا پتی ہے۔ میں کیا کسی کا حق بباؤں کا اور کسی کا مال لالچ سے چھینوں گا۔ وہی شخص :- امیر المومنین آپ جیسا لالچ تو کسی میں ہو ہی نہیں سکتا

خدا نے آپ کو مسلمانوں کے معاملات و مال کا محافظ بنایا۔ آپ نے ان کے معاملات کو دوسروں پر چھوڑ دیا۔ آپ خود خدا کے بندوں کی فساد نہیں ستے۔ انصاف سے کام نہیں لیتے۔ صرف مال و دولت جمع کرنے میں رات دن مشغول ہیں۔ آپ نے اپنے اور اپنی رعایا کے بیچ میں ایسی سنگین دیوار کھینچ دی ہے کہ کوئی شخص آپ تک نہیں پہنچ سکتا۔ آپ کے دروازے

پر ہتھیار بند سا ہی پہرہ دیتے ہیں۔ اور آپ کا حکم ہے کہ فاضل آدمیوں کے سوا کوئی ہمارے سامنے نہ آئے پائے اور فاضل آدمی وہی ہیں جنہیں آپ نے اپنے فائدے کے لئے چن کر رعایا پر حاکم بنایا ہے آپ نے کبھی اس کا خیال نہ کیا کہ تنگی، بھوکی، محتاج و ضرورت مند رعایا آسانی سے آپ تک پہنچ کر دکھ درد بیان کر سکے اور اپنا حق پاسکے جنہیں آپ نے حاکم بنایا ہے۔ یہ دیکھ کر کہ آپ روپیہ جمع تو کرتے ہیں لیکن خرچ نہیں کرتے۔ یہ کہا کرتے ہیں کہ جب امیر المؤمنین خود خدا اور رسول کے احکام کی پروا نہیں کرتے۔ رعایا کی معاملات میں انصاف اور ایمان داری سے کام نہیں لیتے ہم بھی ایسا ہی کیوں نہ کریں۔ ان سب نے اتفاق کر لیا ہے کہ رعایا سے جاوید سوار روپیہ وصول کر کے کچھ آپ کو فے دیں اور کچھ خود کھائیں حکومت میں جس طرح آپ اور یہ لوگ شریک ہیں۔ اسی طرح خدا اور رسول کی اطاعت نہ کرنے اور ظلم و ستم کرنے میں شریک ہیں۔ آپ حکام سے غافل ہیں۔ رعایا سے بے خبر ہیں۔ شریعت کے احکام سے بے پروا ہیں۔ خدا اور رسول سے بے خوف ہیں پھر اس کی کیا امید ہو سکتی ہے کہ آپ کی حکومت رحم و انصاف کی حکومت ہوگی جب کوئی مظلوم آپ کے دروازے پر آتا ہے تو ایک انسر کو پاتا ہے جسے آپ نے مظلوموں کی فریاد سننے کے لئے مقرر کیا ہے جب یہ انسر دیکھتا ہے کہ ظلم و زیادتی کرنے والا آپ کا کوئی دوست ہے یا آپ اس پر نہرہاں ہیں تو وہ مظلوم کی حمایت کر سکتا ہے

نہ ظالم سے بدلہ دلا سکتا ہے۔ اور نئے سزائے مناسب لے سکتا ہے ہر روز
 فریاد ہی اور اس کے معاملے کو ٹالتا رہتا ہے۔ آخر فریاد ہی یا یوس ہو کر صبر کرتا
 ہے اور انصاف سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے یا اگر کچھ ہمت ہوئی تو آپ کی
 سواری نکلنے کا انتظار کرتا ہے۔ پھر مدتوں کے بعد اگر اسے اپنی فریاد آپ
 کے کانوں تک پہنچانے کا موقع مل بھی جاتا ہے تو اردلی کے سوار مار کر ہٹا
 دیتے ہیں۔ تاکہ پھر کوئی سیدھا آپ تک پہنچنے کی جرات ہی نہ کرے۔ آپ ان
 سب باتوں کو دیکھتے اور خاموش رہتے ہیں۔ منع نہیں کرتے کہ مظلوموں کے
 ساتھ بد سلوکی نہ کریں۔ بنو امیہ کے زمانے میں رعایا میں سے جب کوئی کسی
 گوزیر یا تحصیل دار کی شکایت کرتا تو خلیفہ فوراً اس کی فریاد سننے انصاف سے
 کام لیتے اور شکایت دور کر دیتے۔

امیر المومنین دولت جمع کرنے کے تین ہی سبب ہو سکتے ہیں۔

(اول) یہ کہ حکومت کو مضبوط اور ملک کو محفوظ رکھنے کے لئے

پس آپ سے پہلے جو بادشاہ گذر چکے ہیں ان کا حال سنئے تو معلوم ہو کہ جب
 خدا نے انہیں تباہ کرنا چاہا۔ نہ فوج کام آئی اور نہ خزانہ۔

(۲) دوسرے یہ کہ آپ اپنی اولاد کے لئے روپیہ جمع کریں۔ لیکن اگلے

دولت مندوں کی اولاد کا حال دیکھئے تو معلوم ہو کہ انہوں نے اپنی اولاد کے
 لئے جائیدادیں خریدیں۔ خزانے جمع کئے۔ مگر نابالغ اولاد نے چند ہی روز

میں ان کی جائیدادوں کو رہن رکھایا بیچ ڈالا۔ باب دادا کے جمع کئے ہوئے خزانوں کو بے دردی سے برباد کر دیا۔

(۳) تیسرا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کے مرتبے اور اقبال میں ترقی ہو۔ تو یاد رکھئے کہ دولت سے عزت و مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اصلی مرتبہ وہی ہے جو آدمی کو عمل صالح سے حاصل ہوتا ہے۔ خدا کے نزدیک نیک آدمی ہی کی عزت ہے۔ یہ زبردست تقریر جوش اور اثر سے بھری ہوئی تھی۔ منصور خاموشی سے

سنتا رہا۔ ایک ایک لفظ اس کے دل میں اتر گیا اور پورا اثر کر گیا اس نے سمجھ لیا کہ یہ سچی بات کہہ رہا ہے۔ اس کے دل پر حکومت کا خوف اور عاظم کا رعب نہیں ہے اور جو کچھ اس نے کہا ہے۔ سچ کہا۔ غرض منصور کا جی بھرا گیا بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور وہ دیر تک چپکے چپکے رو دیا کیا۔ پھر کہا۔

اے دلیرِ ناصح، اور اے سچے انسان! تیری نصیحت نے میرے دل پر شتر کا کام کیا اس میں ذرہ بھر جھوٹ نہیں۔ مگر میں کیا کروں کہ بدکار دعا باز، باند خواہ میرے پاس آئے جمع ہوتے ہیں۔ نیک دل خیر خواہ ایمان دار اور سچی کہنے والے عقلمند پاس تک نہیں آتے آخر مجھے انھیں سے کام لینا پڑتا ہے۔

اس نے جواب دیا۔ امیر المؤمنین! آپ خدا کے بندوں پر اپنے دروازے کھول دیے۔ دربانوں کو الگ کر دیئے اور اس سنگین دیوار کو بیچ سے ہٹا دیئے۔ مظلوموں کی حمایت کیجئے۔ اور ظالموں کے ساتھ مردت سے

نہ پیش آئے۔ جو دولت آپ جمع کرتے ہیں۔ انصاف کے ساتھ مستحق لوگوں پر بانٹ دیجئے جن کے حق آپ پر ہیں انھیں پوری طور پر ادا کیجئے تو میں ذمہ لیتا ہوں کہ جو لوگ پاس نہیں آتے بلکہ آپ کا نام سن کر بھاگتے ہیں۔ وہی دوڑ دوڑ کر آئیں گے اور آپ کی خیر خواہی کا حق ادا کریں گے۔ سلطنت و حکومت کے کام میں آپ کو مدد دیں گے۔

منصور۔ میں تمہاری نصیحتوں پر عمل کرنے کی انشاء اللہ پوری کوشش کروں گا۔ گفتگو یہاں تک پہنچی تھی کہ موزن نے حتی علی الصلوٰۃ کی آواز بلند کی بادشاہ اور سب حاضرین نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ نماز سے فارغ ہو کر بہت تلاش کیا مگر اس پر جوش ناصح کا کہیں پتہ نہ تھا۔



